جامعہ عربیہ کاشف العلوم اودگیرو

خانقاہِ چشتیہ صابریہ کا اصلاحی و دعوتی ترجمان

سہ ماہی

صدائے قطبِ دکن

اودگیر حیدرآباد

جنوری، فروری، مارچ ۲۰۲۴ء

زیرِ سرپرستی

فریدِ وقت جانشینِ قطبِ دکن

حضرت مولانا شاہ محمد نور الحق قریشی قاسمی دامت برکاتہم

مدیر

محمد فضیل قریشی قاسمی

قطبِ دکن اکیڈمی حیدرآباد

خانقاہِ چشتیہ صابریہ یوسف گوڑہ، حیدرآباد

فہرست

مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
اداریہ: ایمانیات (قسط نمبر:۳)	محمد فضیل قریشی قاسمی	۳
درسِ قرآن	مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی	۷
درسِ حدیث	مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی	۱۰
سیرت (قسط نمبر:۷)	حافظ محمد سفیان قریشی	۱۳
حیات قطبِ دکن (قسط نمبر:۷)	مولانا سعید الحق صاحب قریشی	۲۰
اجتماعی ذکر کے لیے خانقاہوں کی بنیاد ڈالنا	از قطبِ دکن حضرت محمد عبد الغفور قریشیؒ	۲۳
عہدِ رسالت میں حصولِ نسبت	از قطبِ دکن حضرت مولانا شاہ محمد نور الحق قریشی دامت برکاتہم	۲۹
معاشرتِ انسانی؛ بلکہ حیاتِ انسانی مرکّب	مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ	۳۵
مالِ غنیمت سے متعلق قانونِ شریعت پر اعتراض	حافظ نجیب احمد بانیکار	۴۲
معاملات میں سچائی و ایمان داری اور.....	محمد اُسید قریشی	۴۸
ارتدادی فتنہ کے سد باب کے لیے دو اہم باتیں	مولانا محمد یوسف صاحب قاسمی	۵۴
احوال و کوائفِ جامعہ	مولانا فاروق صاحب مفتاحی	۶۱
ترانۂ جامعہ عربیہ کاشف العلوم اودگیر	از مدیر	۶۳

❑❖❑

اداریہ قسط (۳)

ایمانیات

از: رئیس المحدثین مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
تسہیل: محمد فضیل قریشی قاسمی

عقیدۂ دوم: خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں

حق جل شانہٗ ایک ہے، کوئی اُس کا شریک اور سہیم نہیں؛ اِس لیے کہ شرکت؛ عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے؛ نیز شریک کی ضرورت جب ہوتی ہے کہ جب وہ کافی اور مستقل نہ ہو اور یہ نقص ہے، جو وجود کے ضروری ہونے اور الوہیت کے خلاف ہے اور جب وہ خود کافی اور مستقل ہوگا تو شریک کا وجود عبث اور بے کار ہوگا اور جو فضول اور بے کار ہوگا وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ پس شریک ثابت کرنے سے دو شریکوں میں سے کسی ایک شریک کا ناقص اور عیب دار ہونا لازم آتا ہے، جو اُلوہیت اور وجوبِ وجود کے منافی ہے، غرض یہ کہ شرکت کے ثابت کرنے سے شرکت کی نفی ضروری ہوتی ہے، پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا شریک محال ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں، تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ خدا کے لیے نہ کوئی بیٹا ہوسکتا ہے اور نہ بیٹی؛ اِس لیے کہ اولاد باپ کی ہم جنس اور ہم نوع ہوتی ہے، زید اگرچہ اپنے باپ سے جُدا ہے؛ مگر انسانیت میں اُس کا شریک ہے، اِسی طرح اگر کوئی خدا کا بیٹا ہو تو وہ بھی خدائی میں خدا تعالیٰ کا شریک ہوگا اور خدا کی طرح وہ بھی ایک خدا ہوگا؛ اِسی لیے ارشاد ہے:

﴿سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ﴾ (سورۂ نساء، آیت:۱۷۱، پارہ:۶)

ترجمہ: ''وہ صاحبِ اولاد ہونے سے پاکیزہ ہے''۔

عقیدۂ سوم: خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے

حق تعالیٰ شانہٗ قدیم اور ازلی ہے، یعنی اُس کے وجود کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہا، وہ قدیم مطلب ہے۔ ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ اُس کے سوا کسی شئے کے لیے ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہونا اور ہمیشگی ثابت نہیں۔ امامِ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن لوگوں کی تکفیر کی ہے کہ جو ہیولیٰ (مادّہ)، صورت، عقول اور آسمانوں کے دائمی ہونے کے قائل ہوئے ہیں، حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی شئے قدیم (دائمی) نہیں ہوسکتی؛ اِس لیے کہ عالَم کی کوئی شئے نقصان اور عیب سے خالی نہیں، مادّہ تو بالکل ہی اندھا اور بہرا ہے اور روح اگر کچھ جانتی ہے تو برائے نام، اُس کا علم اور ادراک ناقص اور ناتمام ہے اور ناقص اور ناتمام شئے قدیم (دائمی) نہیں ہوسکتی؛ نیز اگر روح ذاتی طور پر دائمی ہوتی تو روح پر جو مصائب وآلام اور ہموم وغموم کا ہجوم ہے، وہ ہرگز ہرگز نہ ہوتا؛ اِس لیے کہ ادنیٰ عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ قدیم بالذات کو آلام اور مصائب سے کیا واسطہ، معلوم ہوا کہ عالم اور عالم کے درمیان کی کوئی چیز قدیم نہیں؛ بلکہ سب مخلوق اور فنا ہونے والے ہیں، انھیں خداوندِ ذوالجلال نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔

عقیدۂ چہارم: اللہ تعالیٰ حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع وبصر اور کلام وتکوین کے ساتھ موصوف ہے

حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین حق تعالیٰ شانہٗ کی صفاتِ کاملہ ہیں، یعنی وہ زندہ، دانا، قدرت والا اور اختیار والا ہے، جو کچھ کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے اور وہ علیم وخبیر (جاننے والا) ہے، دنیا کا کوئی ذرّہ اُس کے علم سے غائب وپوشیدہ نہیں، ہر چیز کی آواز اور ہر کسی کی پکار کو سنتا ہے خواہ زمین میں ہو یا آسمان میں، حتیٰ کہ ساتویں زمین پر چیونٹی کے پاؤں کی آواز بھی سُنتا ہے اور تمام عالم کی آوازوں کو بیک وقت سنتا ہے،

ایک آواز دوسری آواز سے اُس کے سننے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اور بیک وقت تمام عالم کی چیزوں کو دیکھتا ہے، کوئی پردہ اور کوئی تاریکی اُس کے دیکھنے میں حائل نہیں، اور وہ متکلم ہے، گُونگا نہیں اور وہ مکون ہے، یعنی ایجاد اور بنانے کی صفت اُس کو حاصل ہے، جس کو چاہتا ہے زندگی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اُس کو مارتا ہے، عزت دینا اور ذلّت دینا اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ حق تعالیٰ کے لیے یہ صفاتِ کاملہ ثابت ہیں؛ اِس لیے کہ دنیا کی عجیب وغریب بناوٹ سراپا حکمت اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ بناوٹ کسی مُردہ، جاہل اور کوئی بے بس کی نہیں؛ بلکہ ایسی عجیب وغریب بناوٹ کا کاریگر تو زندہ، عالم، قادر اور حکیم ہی ہوسکتا ہے۔

نیز یہ صفاتِ کمال (حیات، علم، قدرت، ارادہ، سماعت، بصارت، کلام اور تکوین) خدا کی مخلوقات میں موجود ہیں اور تمام عقلمندوں کے نزدیک یہ صفاتِ کمال ہیں، پس اگر خالق میں یہ کمال نہ ہوتا تو مخلوق میں کہاں سے آتا؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان صفاتِ کاملہ کا نمونہ انسان میں اسی لیے پیدا کیا کہ ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی صفات کا نشان پاسکیں اور سمجھیں کہ ہماری یہ صفاتِ کمال خدا کی صفاتِ کمال کا ایک ادنیٰ سا نشان ہیں؛ ورنہ فی الواقع انسان کی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ کسی طرح بھی مشابہ نہیں ہوسکتیں، محض اسمی مشارکت اور لفظی مناسبت ہے، جو بحث سے خارج ہے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ صفات کی دو قسمیں ہیں:

ایک صفاتِ ذاتیہ اور دوسری صفاتِ فعلیہ۔

صفاتِ ذاتیہ: اُن صفات کو کہتے ہیں کہ ذات اُن کی ضد کے ساتھ مِل نہ سکے، جیسے: علم وقدرت، اللہ تعالیٰ علم اور قدرت کے ساتھ موصوف ہوسکتا ہے اور اس کی ضد جہالت اور بے بسی کی کیفیت کے ساتھ نہیں مل سکتا، یعنی معاذ اللہ! خدا تعالیٰ کو مُردہ، جاہل، عاجز، مجبور، بہرا، اندھا اور گُونگا نہیں کہہ سکتے؛ کیوں کہ موت، جہالت اور عاجزی وغیرہ عیب ونقصان ہیں، جن سے خدا تعالیٰ کی ذات کا پاک ہونا ضروری ہے۔

صفاتِ فعلیہ: اُن صفات کو کہتے ہیں کہ ذات اُن کی ضد (مخالف صفات) کے ساتھ بھی موصوف ہو سکے؛ مگر ان کا تعلق غیر کے ساتھ ہو، جیسے: مارنا، زندگی دینا، عزت دینا، ذلت دینا، رزق دینا اور نہ دینا، ایسی صفات کو صفاتِ فعلیہ کہتے ہیں، جہاں ذات دونوں ضدین کے ساتھ موصوف ہو سکے۔ یہ صفاتِ فعلیہ صفتِ تکوین میں داخل ہیں، گویا کہ صفتِ تکوین (لفظِ کُنْ کہہ کر کسی چیز کو پیدا کرنا) ان سب کا اجمال ہے اور یہ سب اس کی تفصیل ہیں۔ اگر حق تعالیٰ کو صفتِ تکوین حاصل نہ ہوتی تو یہ تمام عالم اور اِس کی عجیب وغریب کیفیات ظہور میں نہ آتیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾

(سورۂ یٰسین، آیت: ۸۲، پارہ: ۲۳)

یعنی وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے کلمۂ کُن (ہوجا) سے پیدا کرتا ہے، کسی سامان اور اسباب کا محتاج نہیں۔ کُن سے پیدا کرنے کا نام تکوین ہے۔

(جاری.....)

سلسلہ وار (ماخوذ از: ہدایت القرآن)

درسِ قرآن

از قلم:
مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

﴿قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ﴿۴﴾ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ﴿۵﴾ لَكُمۡ دِیۡنُكُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ۧ﴿۶﴾﴾

(سورۂ کافرون، پارہ:۳۰)

ترجمہ: کہہ دو! اے اسلام کے منکرو! مَیں (فی الحال) اُن مورتیوں کو نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو، اور نہ تم اُس اللہ کی عبادت کرتے ہو جس کی مَیں کرتا ہوں، اور نہ مَیں (آئندہ) اُن مورتیوں کی پُوجا کروں گا جن کی تم پوجا کرتے ہو، اور نہ تم اُس اللہ کی عبادت کرو گے جس کی مَیں عبادت کرتا ہوں، تمہارے لیے تمہارا دھرم ہے اور میرے لیے میرا دین!۔ یہ پیشین گوئی آج تک پوری ہو رہی ہے اور قیامت تک ایسا ہی ہوگا، نہ مسلمان مندروں میں جاتے ہیں، نہ غیر مسلم مسجدوں میں آ کر ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

تفسیر

امتِ مسلمہ جس کے نصیب میں رفعت و سربلندی رکھی گئی ہے: کبھی حالات سے دوچار ہوتی ہے، ہجرت سے پہلے ناگفتہ بہ حالات سے گزری ہے، اُس وقت کفار ایک

اسکیم لائے تھے کہ نبی ﷺ اُن کی مورتیوں کو کنڈم نہ کریں؛ بلکہ مسلمان مندروں میں آئیں اور مورتی پوجا کریں، ہم بھی مسجدوں میں آئیں گے اور نماز پڑھیں گے، پس سورۃ الکافرون نازل ہوئی کہ ایسا ممکن نہیں، حق اور باطل میں مصالحت نہیں ہوسکتی، نہ آج مسلمان تمہارے مندروں میں آتے ہیں نہ کل آئیں گے، اور نہ آج تم مسجدوں میں آتے ہو نہ کل آؤ گے، قیامت کی صبح تک ایسا نہیں ہوگا: ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَ لِيَ دِيْنِ ۝﴾ (تمہارے لیے تمہارا دھرم اور ہمارے لیے ہمارا مذہب)۔

پھر اگلی سورت میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ حالات کی سنگینی سے نہ گھبرائیں، اللہ کی مدد آرہی ہے: ﴿اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (اللہ کی مدد آہی رہی ہے)، ایک دن آئے گا کہ مکہ فتح ہوگا اور مسلمانوں کا ہاتھ اوپر ہوگا، اور ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں گے، ابولہب: سرکش مالداروں سے کنایہ ہے، اور اُن کے ہاتھ اللہ تعالیٰ توڑیں گے، جو بے ہمہ اور باہمہ ہیں، بے ہمہ: یعنی اکیلے اور باہمہ: یعنی بے نیاز ہیں، اُن کے لیے یہ کام کچھ مشکل نہیں؛ لہٰذا مسلمان بودے نہ ہوں اور باطل کے ساتھ ہرگز مصالحت نہ کریں۔

کفر: کفر ہے، اسلام: اسلام، دونوں ایک کبھی نہیں ہوں گے

جب کبھی مسلمان کمزور ہوتے ہیں؛ مگر دین میں مضبوط ہوتے ہیں تو اعدائے اسلام دامِ ہم رنگ زمین بچھاتے ہیں، وہ کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان کسی طرح اپنے موقف سے ہٹیں، ایسی ایک کوشش ہجرت سے پہلے چند رؤسائے قریش نے کی تھی، وہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک پلان لے کر آئے کہ آؤ! ہم صلح کرلیں اور شانتی سے رہیں، تم ہمارے مندروں میں آؤ اور ہمارے معبودوں کو پوجو، ہم تمہاری مسجدوں میں آئیں گے اور تمہارے خدا کی عبادت کریں گے، اِس طرح دونوں فریق ایک ہوجائیں گے اور آپسی نزع ختم ہوجائے گا۔

پس یہ سورت نازل ہوئی، اور ان کو جواب دیا گیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، خدا کی پناہ!

کہ ہم معبودانِ باطل کی پُوجا کریں، اور تم صرف ایک اللہ کی عبادت نہیں کروگے، نہ آج نہ آئندہ، پس تم اپنے دھرم پر رہو، ہم اپنے مذہب پر ہیں، کفر کفر ہے، اسلام اسلام، دونوں ایک کبھی نہیں ہوسکتے۔

فائدہ(۱): غیر مسلموں کے ساتھ ملکی مسائل میں اتفاق کیا جاسکتا ہے، اور قدرتی آفات میں ایک دوسرے کا تعاون بھی کرنا چاہیے؛ مگر ملّی مسائل میں موافقت یا مصالحت جائز نہیں، ہر ایک اپنے مذہب پر رہے۔

فائدہ(۲): اسلامی فرقوں میں بھی باطل کے ساتھ موافقت یا مصالحت جائز نہیں، نہ خاموشی اختیار کرنا جائز ہے، گمراہ کی غلطی کھول کر بیان کرنا ضروری ہے؛ تاکہ لوگ اُس سے بچیں؛ ورنہ حق کا نقصان ہوگا، اہلِ حق خاموش رہیں گے اور باطل بڑھتا چلا جائے گا۔

درسِ حدیث

کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک آنے والے فتنوں کو بیان فرمادیا؟

ازقلم:
مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی

کن حالات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ساقط ہوجاتی ہے؟

عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَايَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ﴾ قَالَ أَمَا وَاللهِ لَقَدْ سَأَلْتُ عَنْهَا خَبِيْرًا، سَأَلْتُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: بَلِ ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِهِ فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعِ الْعَوَامَّ فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا اَلصَّبْرُ فِيْهِنَّ مِثْلُ الْقَبْضِ عَلَى الْجَمَرِ، لِلْعَامِلِ فِيْهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِيْنَ رَجُلًا يَعْمَلُوْنَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ.

(رواه الترمذي)

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾ کے بارے میں (ایک صاحب کے سوال کے جواب میں) فرمایا کہ میں نے اِس آیت کے بارے میں اُس ہستی سے پوچھا تھا جو (اس کے مطلب، مدعیٰ، اور اللہ کے حکم سے) سب سے زیادہ باخبر تھی، (یعنی) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: (اِس آیت سے غلط فہمی میں نہ پڑو) بلکہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر برابر کرتے رہو، یہاں تک کہ جب (وہ وقت آجائے کہ) تم دیکھو کہ بخل اور دولت اندوزی کے جذبہ کی اطاعت کی جاتی ہے اور (اللہ و رسول کے احکام کے مقابلہ میں) اپنی نفسانی خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور (آخرت کو فراموش کرکے) بس دنیا ہی کو مقصود بنالیا گیا ہے اور ہر شخص خودرائی اور خودبینی کا مریض ہے (تو جب عام لوگوں کی حالت یہ ہوجائے) تو اس وقت بس اپنی ذات ہی کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو (اُن کا معاملہ خدا کے حوالہ کردو) کیوں کہ تمہارے بعد میں ایسا دَور بھی آئے گا کہ صبر اور ثابت قدمی (کے ساتھ دین پر قائم رہنا اور شریعت پر چلنا) ایسا (مشکل اور صبر آزما) ہوگا جیسا ہاتھ میں انگارہ لے لینا، اُن دنوں میں شریعت پر عمل کرنے والوں کو تمہاری طرح عمل کرنے والے پچاس آدمیوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

(جامع ترمذی)

تشریح

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک تابعی ابوامیہ شعبانی نے سورۂ مائدہ کی اِسی آیت نمبر ۱۰۵ کی متعلق جس کے بارے میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد اوپر گزر چکا ہے، سوال کیا تھا، تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے اِس آیت کے بارے میں دریافت کیا تھا (کیوں کہ اِس کے ظاہری الفاظ سے

یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر ہم خود اللہ ورسول کی ہدایت کے مطابق چل رہے ہیں تو دوسرے لوگوں کے دین کی فکر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہماری ذمہ داری نہیں ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے وہ جواب ارشاد فرمایا: جو حدیث میں مذکور ہوا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے دین کی فکر کے ساتھ دوسرے بندگانِ خدا کے دین کی فکر اور اس سلسلہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی دینی فریضہ اور خداوندی مطالبہ ہے؛ اِس لیے اِس کو برابر کرتے رہو۔ ہاں! جب امت کا حال یہ ہوجائے کہ بخل وکنجوسی اُس کا مزاج بن جائے اور دولت کی پوجا ہونے لگے اور اللہ ورسول کے احکام کے بجائے بس خواہشاتِ نفس کا اتباع کیا جانے لگے اور آخرت کو بھلا کر دنیا ہی کو مقصود بنالیا جائے اور خود بینی اور خودرائی کی وبا عام ہوجائے تو اس بگڑی ہوئی فضا میں چوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاثیر وافادیت اور عوام کی اصلاح پذیری کی اُمید نہیں ہوتی؛ اِس لیے چاہیے کہ بندہ عوام کی فکر چھوڑ کے بس اپنی ہی اصلاح اور معصیت سے حفاظت کی فکر کرے۔

آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ بعد میں ایسے دَور بھی آئیں گے جب دین پر قائم رہنا اور اللہ ورسول کے احکام پر چلنا ہاتھ میں آگ لینے کی طرح تکلیف دہ اور صبر آزما ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں خود دین پر قائم رہنا ہی بہت بڑا اجہاد ہوگا اور دوسروں کی اصلاح کی فکر اور اس سلسلہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری باقی نہیں رہے گی۔ اور ایسی ناموافق فضا اور سخت حالات میں اللہ ورسول کے احکام پر صبر وثابت قدمی کے ساتھ عمل کرنے والوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ان کو پچاس پچاس تمہارے جیسے عمل کرنے والوں کی برابر اجر وثواب ملے گا۔

❑❖❑

قسط نمبر (۷)

سیرتِ نبوی ﷺ اور اُس کی گوناگوں خصوصیات

از قلم:
حافظ محمد سفیان قریشی

امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام:

نبوت کے چھٹے برس کا ذکر ہے کہ ایک روز ہمارے نبی ﷺ کوہِ صفا پر بیٹھے ہوئے تھے، ابوجہل وہاں پہنچ گیا، اُس نے نبی ﷺ کو پہلے گالیاں دیں اور جب نبی ﷺ گالیاں سُن کر چُپ رہے تو اُس نے ایک پتھر حضور ﷺ کے سر پر پھینک مارا، جس سے خون بہنے لگا، نبی ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ﷺ کو خبر ہوئی، وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، قرابت کے جوش میں ابوجہل کے پاس پہنچے اور اُس کے سر پر اِس زور سے کمان کھینچ ماری کہ وہ زخمی ہوگیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پھر نبی ﷺ کے پاس گئے اور کہا: ''بھتیجے! تم یہ سُن کر خوش ہوگے کہ مَیں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا''۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''چچا! مَیں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا، ہاں! تم مسلمان ہوجاؤ، تو مجھے بڑی خوشی ہوگی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اُسی وقت مسلمان ہوگئے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا:

امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے تین دن بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، یہ بڑے دلیر اور بہادر تھے۔ قریش کی طرف سے بیرونی ممالک کی سفارت کا کام ان سے متعلق تھا۔ ایک دن عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہادری کے بھروسے پر نبی ﷺ کے قتل کا ارادہ کرکے گھر سے نکلے، بدن پر سب ہتھیار سجا رکھے تھے، راستے میں ان کو پتہ لگا کہ بہن اور

بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں، یہ سُن کر بہن کے گھر گئے، ان دونوں کو خوب مارا۔ اُن کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''عمر! تم پہلے وہ کتاب سُن لو، جسے سُن کے ہم ایمان لے آئے ہیں، اگر وہ تم کو اچھی نہ لگے تو ہم کو مار ڈالنا''، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اچھا!'' اس وقت اُن کے گھر میں نبی ﷺ کا ایک صحابی بھی تھا، جو عمر رضی اللہ عنہ کے آجانے سے چھپ گیا تھا، اُس نے قرآنِ مجید (سورۂ طٰہٰ کا پہلا رکوع) سنایا۔ عمر رضی اللہ عنہ قرآن سُن رہے تھے اور بے اختیار رو رہے تھے، غرض! عمر رضی اللہ عنہ اُس وقت سے نبی ﷺ اور قرآن پر ایمان لے آئے، جو گھر سے قاتل بن کر نکلا تھا وہ جاں نثار بن گیا، آگے چل کر ان کا لقب ''فاروق'' ہوا۔

اُس وقت تک مسلمان نماز اپنے گھروں میں چھپ چھپ کر پڑھا کرتے تھے، اب کعبہ میں جا کر پڑھنے لگے، کافر یہ دیکھ کر اور بھی زیادہ جلے اور مسلمانوں کو بے حد تکلیف دینے لگے اور نبی ﷺ کے ساتھ بھی گستاخی سے پیش آتے تھے۔

نبی ﷺ اپنے قبیلہ سمیت تین سال تک پہاڑ کی گھاٹی کے اندر محصور رہے:

جب کفار نے دیکھا کہ ایسی اذیتوں اور تکلیفوں پر بھی نبی ﷺ اپنی تعلیم پر قائم ہیں اور بے نظیر جرأت اور اَنتھک محنت سے اپنا کام کیے جاتا ہے تو نبوت کے ساتویں سال محرم میں انہوں نے کہا کہ بنو ہاشم جو نبی ﷺ کا قبیلہ ہے اگرچہ مسلمان نہیں ہوا، پھر بھی نبی ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑتا، آؤ اُن سے رشتہ ناطہ کرنا چھوڑ دو، انھیں گلی بازار میں پھرنے دو، اُن کو کوئی چیز مول بھی نہ دو۔ اِس بات کا معاہدہ کیا گیا اور کعبہ پر لٹکایا گیا۔

نبی ﷺ اور آپ کا قبیلہ مجبور ہو گیا، گھر بار چھوڑ کر پہاڑ کی گھاٹی میں محبوس و محصور ہو کے رہنے لگے۔ قریش نے اجناس خوردنی کا جانا بھی بند کر دیا، بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اِس قدر رویا کرتے کہ اُن کی آواز گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی۔

تین برس تک نبی ﷺ اور اُن کے خاندان نے اِسی طرح کاٹے اور جو مسلمان تھے وہ

بھی اپنے گھروں میں قیدی بن کر رہنے لگے۔ حج کے دنوں میں جب کافر بھی دشمن سے لڑنا حرام جانتے تھے، نبی ﷺ اس گھاٹی سے باہر نکلا کرتے تھے اور لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کا وعظ سنایا کرتے تھے۔ کم بخت ابولہب صبح سے شام تک نبی ﷺ کے پیچھے پیچھے پھرا کرتا اور کہا کرتا: لوگو! یہ دیوانہ ہے اِس کی بات نہ سنو، جو کوئی اس کی بات سنے گا، اور مانے گا وہ تباہ ہوجائے گا۔ تین برس تک نبی ﷺ نے اس سختی کو نہایت صبر واستقلال سے برداشت کیا، جب کافروں نے گھاٹی پر سے پہرے اٹھالیے اور دیمک نے اُن کے معاہدہ کا کاغذ کھالیا، جو کعبہ پر لٹکایا گیا تھا، تب نبی ﷺ باہر نکلے اور پھر وعظ کا سلسلہ شروع کردیا۔

ایک روز نبی ﷺ مسجد الحرام میں داخل ہوئے، وہاں مشرک سردار بیٹھے ہوئے تھے، ابوجہل نے نبی ﷺ کو دیکھا اور تمسخر سے بولا: ''عبدِ مناف والو! دیکھو تمہارا نبی آ گیا''۔

عقبہ بن ربیعہ بولا: ''ہمیں کیا انکار ہے ہم میں سے کوئی نبی بن بیٹھے، کوئی فرشتہ کہلائے۔'' نبی ﷺ یہ باتیں سن کر لوٹے اور اُن کے پاس آئے۔

پہلے عقبہ سے فرمایا: ''عقبہ! تُو نے اللہ اور رسول ﷺ کی حمایت کبھی بھی نہ کی، تُو اپنی بات کی ضد پر اَڑا رہا۔ ابوجہل سے فرمایا: تیرے لیے وہ وقت بہت قریب آ رہا ہے، دُور نہیں رہا ہے کہ تُو تھوڑا ہنسے گا اور بہت روئے گا۔''

پھر قریش سے فرمایا: ''تمہارے لیے وہ ساعت نزدیک آ رہی ہے کہ جس دین کا تم انکار کرتے ہو، آخر اسی میں داخل ہوجاؤ گے''۔

ابوطالب کا انتقال:

۱۰ رنبوی میں نبی ﷺ کے چچا ابوطالب کا جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے والد تھے، انتقال ہوگیا۔ ابوطالب نے لڑکپن سے نبی ﷺ کی تربیت کی تھی اور جب سے آنحضرت ﷺ نے نبوت کی دعوت اور منادی شروع کی تھی وہ برابر مددگار رہے تھے؛ اِس لیے نبی ﷺ کو اُن کے مرنے کا صدمہ ہوا۔

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال:

ان سے تین دن کے بعد نبی ﷺ کی پیاری بیوی طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔ اس بیوی نے اپنا سارا مال وزر نبی ﷺ کی خوشی پر قربان اور راہِ اللہ میں صَرف کر دیا تھا۔ یہ سب سے پہلے اسلام لائی تھیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے اس بیوی کو اللہ کا سلام پہنچایا تھا۔ اس بیوی کے گزر جانے کا رنج نبی ﷺ پر بہت ہوا۔ اب قریش نے نبی ﷺ کو زیادہ ستانا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے سر پر کیچڑ پھینک دی۔ آنحضرت ﷺ اسی طرح گھر میں داخل ہوئے، نبی ﷺ کی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اُٹھیں، وہ سر دھلاتی تھی، روتی جاتی تھی، نبی ﷺ نے فرمایا: ''پیاری بیٹی! تم کیوں روتی ہو؟ تمہارے باپ کی حفاظت اللہ خود فرمائے گا۔''

نبی ﷺ کا تبلیغ کے لیے مختلف قبائل کی جانب سفر کرنا:

اگرچہ ابوطالب کا سہارا جاتا رہا، اگرچہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی بیوی جو مصیبتوں اور تکلیفوں میں نہایت غم گسار تھی، جُدا ہوگئی، نبی ﷺ نے اب زیادہ جوش سے وعظ کا کام شروع کر دیا۔

چناں چہ تھوڑے ہی دنوں بعد نبی ﷺ مکہ سے نکلے اور بیرونِ قبائل کو وعظ کے لیے تشریف لے گئے، نبی ﷺ کے ساتھ اس سفر میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے، مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبیلے تھے سب کو وعظ سناتے، توحید کی منادی کرتے ہوئے نبی ﷺ پیدل لطائف پہنچے، طائف میں بنوثقیف آباد تھے، سرسبز ملک اور سرد پہاڑ پر رہنے کی وجہ سے ان کے غرور کی کوئی حد نہ تھی۔ عبد یالیل، مسعود، حبیب، تینوں بھائی وہاں کے سردار تھے، نبی ﷺ پہلے ان ہی سے ملے اور انہیں اسلام کی دعوت فرمائی، اُن میں سے ایک بولا: ''مَیں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈوادوں اگر تجھے اللہ نے رسول بنایا ہو''۔

دوسرا بولا: ''کیا اللہ کو تمہارے سوا اور کوئی بھی رسول بنانے کو نہ ملا جسے چڑھنے کی

سواری بھی میسر نہیں، اسے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا''۔

تیسرا بولا کہ: ''مَیں آپ سے کبھی بات ہی نہ کروں گا؛ کیوں کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں، جیسا کہ آپ کہتے ہیں تب تو یہ خطرناک بات ہے کہ مَیں آپ کے کلام کو رَد کردوں اور اگر آپ اللہ پر جھوٹ بولتے ہو تو مجھے شایاں نہیں کہ آپ سے بات کروں''۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''اب مَیں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو، ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسرے لوگوں کے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں''۔

نبی اللہ ﷺ نے وعظ کہنا شروع فرمایا، ان سرداروں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا، وہ لوگ وعظ کے وقت نبی ﷺ پر اتنے پتھر پھینکتے کہ حضور ﷺ لہو میں تَر ہو جاتے، خون بہہ بہہ کر جُوتے میں جَم جاتا اور وضو کے لیے پاؤں سے جُوتا نکالنا مشکل ہو جاتا۔

ایک دفعہ بدمعاشوں اور اوباشوں نے نبی ﷺ کو اِس قدر گالیاں دیں، تالیاں بجائیں، چیخیں لگائیں کہ اللہ کے نبی ﷺ ایک مکان کے احاطے میں جانے پر مجبور ہوئے، یہ جگہ عتبہ اور شیبہ فرزاندانِ ربیعہ کی تھی، انہوں نے دُور سے اِس حالت کو دیکھا اور نبی ﷺ پر ترس کھا کر اپنے غلام عداس کو کہا کہ ایک پلیٹ میں انگور رکھ کر اس شخص کو دے آؤ۔ غلام نے انگور نبی ﷺ کے سامنے لا کر رکھ دیے، نبی ﷺ نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور زبان سے فرمایا: ''بسم اللہ'' اور پھر انگور کھانے شروع کیے۔

عداس نے حیرت سے نبی ﷺ کی طرف دیکھا اور پھر کہا: ''یہ ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے''، نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم کہاں کے ہو؟ اور تمہارا مذہب کیا ہے؟''

عداس نے جواب دیا: ''مَیں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں''۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم مردِ صالح یونس بن متیٰ علیہ السلام کے شہر کے باشندے ہو؟''

عداس نے کہا: ''آپ کو کیا خبر ہے کہ یونس بن متیٰ علیہ السلام کون تھے؟ اور کیسے تھے؟''

نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے اور مَیں بھی نبی ہوں''۔

عداس یہ سنتے ہی جھک پڑے اور نبی ﷺ کا سر، ہاتھ اور قدم چوم لیے۔

عتبہ اور شیبہ نے دُور سے غلام کو ایسا کرتے دیکھا اور آپس میں کہنے لگے: لو غلام تو ہاتھوں سے نکل گیا، جب عداس اپنے آقا کے پاس لوٹ کر گیا تو انہوں نے کہا: ''کمبخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اُس شخص کے ہاتھ، پاؤں اور سر چومنے لگ گیا تھا؟''

عداس نے کہا: ''حضورِ عالی! آج اُس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی بھی نہیں، اُس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے''۔

انہوں نے عداس کو ڈانٹ دیا کہ خبردار! کہیں اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھنا، تیرا دین تو اُس کے دین سے بہتر ہے۔

اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کے اتنی چوٹیں لگیں کہ حضور ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے، زید رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی پیٹھ پر اُٹھایا، آبادی سے باہر لے گئے، پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا۔

اسی سفر میں اتنی تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان نہ ہونے کے رنج اور صدمہ کے وقت بھی نبی ﷺ کا دل اللہ کی عظمت اور محبت سے بھرپور تھا، اُس وقت جو دعا حضور ﷺ نے مانگی اُس کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَأَنْتَ رَبِّيْ إِلٰى مَنْ تُكِلُنِيْ إِلٰى بَعِيْدٍ يَجهِّمُنِيْ أَنْ إِلىٰ أَوْ إِلىٰ عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِيْ إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيَّ سَاخِطًا فَلَاأُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ أَنْ يُنَزِّلَ بِيَ عَضَبُكَ أَوْ يَحُلَّ عَلَيَّ سَخَتُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰي وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِكَ.

''الٰہی! اپنی کمزوری، بے سروسانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تُو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ

وعاجزوں کا مالک تُو ہی ہے اور میرا مالک بھی تُو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کیے جاتا ہے؟ کیا بے گانہ ترش رُو کے یا اُس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے؟ لیکن مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں؛ کیوں کہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے، مَیں تیری ذات کے نُور کی پناہ چاہتا ہوں، جس سے سب تاریکیاں روشن ہوجاتی ہیں اور دنیا و دین کے کام اس سے ٹھیک ہوجاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اُترے، یا تیری ناراضگی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔

نبی ﷺ نے طائف سے واپس آتے ہوئے یہ بھی فرمایا: ''مَیں ان لوگوں کی تباہی کے لیے کیوں دعا کروں، اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا؟ اُمید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور ایک اللہ پر ایمان لانے والی ہوں گی۔

(جاری.....)

❑❖❑

''سہ ماہی صدائے قطبِ دکن'' ایک دینی و اسلامی تحریک ہے، جس کے ذریعہ امت تک صاف ستھری تعلیمات پہونچانے کی کوشش کی جاتی ہے، اِس کو آگے بڑھانے کے لیے ہمارے معاون و مددگار بنیں اور ہر فرد تک پہونچانے کی کوشش کریں۔

(ادارہ)

قسط نمبر (۷)

حیات قطبِ دکنؒ

از:

مولانا سعید الحق صاحب قریشی

والد ماجد مولوی عبدالرحمٰن قریشی

(صبر وخلوص، ایثار و بردباری کے پیکر)

باپ سے اولاد کا رشتہ بہت ہی اَنوکھا ہوتا ہے۔ شجرِ سایہ دار کا احساس، گھنی چھاؤں، اولاد کی ضروریات پلک جھپکتے پوری کر دینا، ہر خواہش کی تکمیل کو اپنا اوّلین فرض جان کر بھی صلہ سے بے پرواہ رہنا، بہ ظاہر سخت؛ لیکن بہ باطن موم، حساس اور شفیق، اولاد کی ہر تکلیف پر بے کل ہوجانا ہم جس طرح دریا کو کوزے میں قید نہیں کر سکتے، اسی طرح ایک مخلص باپ کی محبت وشفقت، عنایات وخدمات، محنت، حوصلہ وہمت کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتے، باپ ایک عظیم انسان ہوتا ہے، جس کی محبت تحفظ کا احساس فراہم کرتی ہے۔

دادا حضرت مولوی محمد عبدالرحمٰن قریشی والد ماجد حضرت قطبِ دکن رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے ان تمام صفات کا حامل بنایا تھا، جو ایک مشفق ومربی باپ کے لیے زینت کا باعث ہیں اور ان تمام اوصاف سے محفوظ فرمایا تھا جو کسی بھی طرح کے عیب کو نمایاں کرتی ہیں۔

شرافتِ نفس وکشادہ دلی

حضرت قطبِ دکن رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار کریم النفس اور شریف الطبع تھے، کشادہ نفسی اور سخاوت سے ان کا خمیر اُٹھا تھا، ان کے عام برتاؤ، مہمان نوازی اور قول

وفعل؛ نیز اپنے اور غیروں کے ساتھ زندگی گزارنے کے انداز میں رواداری وکشادہ قلبی کا انعکاس صاف طور پر محسوس ہوتا تھا، وہ ہر اس رویے سے بچتے تھے جس سے کسی کو قلبی اذیت پہونچنے کا اندازہ ہوتا، اس طرح آپ کئی حیثیتوں سے ممتاز؛ بلکہ بے مثال تھے، دادا حضرتؒ کو دین اور علم وصلاح ورثے میں ملا تھا، کثرتِ کار، نیکی، سلامت روی، وقت اور وعدے کی پابندی، فرائض کی ادائیگی میں لاپرواہی سے بالکلیہ اجتناب اور اس کے علاوہ بہت کچھ اپنے آباء واجداد سے ورثے میں پایا تھا، ان کے نزدیک یہ اوصاف اعلیٰ قدر کا درجہ رکھتے تھے، جس پر کاربندی ہی مومن کی سب سے بڑی شناخت ہوتی ہے۔

دادا حضرتؒ کے بڑے بھائی محمد عبدالغفور قریشی جن سے آپ کے والد مولانا محمد قاسم قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں، اُن کا جوانی میں انتقال ہوگیا تھا، جب میت کو غسل دیا جارہا تھا اس وقت مولانا محمد قاسم صاحب قریشی دہاڑیں مار مار کر روتے اور اللہ سے فریاد کرتے تھے کہ پروردگار تو میری ان کتابوں کا، ان علوم کا کسی کو وارث بنائے گا یا نہیں؟ خدا تعالیٰ نے پڑدادا حضرتؒ کی یہ دعا مولوی محمد عبدالرحمٰن قریشی کے تیسرے صاحبزادے قطبِ دکن مولانا شاہ محمد عبدالغفور قریشی قدس سرہٗ کے حق قبول فرمائی اور اسی نسبت دادا حضرتؒ نے عبدالغفور نام رکھا تھا۔

دین کے لیے تَن، مَن، دَھن کی بازی لگانا

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دادا حضرت (مولوی محمد عبدالرحمٰن قریشی) کے دل میں دنیا نہیں تھی؛ بلکہ اس دنیا میں وہ دین ہی کی سوچتے تھے، گھر اور اسباب کسی چیز میں ان کا دل نہ تھا؛ بلکہ اپنے گھر بار کو دین کے لیے قربان کرنا آپ کے لیے بالکل آسان بات تھی، جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

ایک شادی کے موقع پر جبکہ گھر میں تمام افراد جمع تھے، حضرت قطبِ دکن کی خواہش پر گھر میں تمام افرادِ خاندان سے فرمایا: میں قاسم العلوم کے لیے اپنا آبائی مکان وقف کررہا

ہوں، اس طرح دین کا باغیچہ آپ اپنی حیات میں ہی اپنی نیت کے مطابق لگا گئے، بذاتِ خود اپنے ہاتھوں سے مدرسہ قائم فرمایا اور مدرسہ کی کمیٹی اپنے ہی گھر کے افراد پر تشکیل دی، سات بیٹوں کو اس میں شامل کیا، مکان کو جو ایک باغیچہ کی شکل میں تھا صاف کیا، طلبہ کے آرام اور سہولت کے لیے باؤلی کھدوائی اور اپنی آنکھوں سے بیرونی طلبہ کو دارالاقامہ میں دیکھ کر باغ باغ ہوا کرتے تھے۔ اِس طرح دنیا میں ہی اپنی جنت کا سامان کر گئے، آج دین کے لیے قربان ہونے والی ایسی اولوالعزم ہستیاں کہاں ہیں، اللہ آپ کے ارادوں اور نیتوں کو پورا فرمائے۔

اسی طرح ایک قربانی کی مثال یہ بھی ہے کہ آپ نے باوجود غربت کے صرف تیرہ برس کی عمر میں حضرت قطبِ دکن رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم دیوبند بھجوایا، ادھر گھر میں فاقوں کی نوبت آتی؛ لیکن آپ نے کبھی ہمت نہیں ہاری، اسی طرح حضرت قطبِ دکن کی ملازمت سے آپ کو کافی آرام مل گیا تھا؛ لیکن جب حضرت قطبِ دکن نے بےلوث اور بےغرض ہوکر اسلام کی اشاعت کے لیے اپنے مرشد شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اشارے پر سرکاری ملازمت کو ٹھکرا دیا اور ہمہ تن دین کی خدمت میں لگ گئے، تو آپ نے فرمایا: میرا ایک بیٹا دین کے لیے فقیر بن گیا ہے، تو میں بھی اس کے ساتھ ہو جاتا ہوں؛ چنانچہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود مدرسہ کی مالی فراہمی کے سلسلہ میں باہر جایا کرتے، اپنی عمر کے آخری رمضان میں تمام مہینہ روزہ کی حالت میں مدرسہ کے لیے کام انجام دیتے رہے۔ فَجَزَاهُ اللهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ

ایسے ہی اولوالعزم بزرگوں کی قربانیوں سے دین تر و تازہ ہے اپنی بنیادوں پر قائم ہے۔

(جاری.....)

❑❖❑

اجتماعی ذکر کے لیے خانقاہوں کی بنیاد ڈالنا

از:
قطبِ دکن
مولانا شاہ محمد عبدالغفور صاحب قریشی نوراللہ مرقدہٗ

حدیث نمبر: ۲۲

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَااجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ تَعَالىٰ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ.

(رواه أبوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: نہیں مجتمع ہوا کوئی مجمع کسی گھر میں اللہ کے گھروں میں سے کہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوں اور باہم اس کو پڑھتے پڑھاتے ہوں؛ مگر نازل ہوتی ہے اُن پر کیفیت تسکینِ قلبی کی، اور ڈھانپ لیتی ہے اُن کو رحمت اور گھیر لیتے ہیں اُن کو ملائکہ اور ذکر فرماتے ہیں اُن کا اللہ تعالیٰ ان (ارواحِ ملائکہ) میں جو کہ اللہ کے پاس ہیں۔ (روایت کیا اِس کو اَبوداؤد نے)

عادتِ ذکرِ حلقہ

بہت سے ذاکرین کے ایک جگہ جمع ہوکر ذکر کرنے سے دلچسپی ذکر میں، لوگوں کا ملنا، انوارِ قلوب میں نشاط و ہمت کا بڑھنا، مستی کا دفع ہونا اور مداومت میں سہولت وغیرہ فوائد

حاصل ہوتے ہیں، اس کو ذکرِ حلقہ کہتے ہیں۔ اِس حدیث میں اِس کی اصل مع اشارہ کے اس کی برکات کی طرف موجود ہے۔

اجتماعی ذکر کے لیے خانقاہ بنانے کی رسم

حضراتِ صحابہ وتابعین بوجہ قوتِ قلب وقرب عہد فیض عہد تحصیل ملکہ ذکر میں محتاج خلوت مکانی کے نہ تھے۔ بعد میں تفاوتِ احوال وطبائع کے سبب عادۃً اس ملکہ کی تحصیل موقوف ہوگئی۔ خلوتِ مکانی وبعد عن عامۃ الخلق پر اس وقت حضراتِ مشائخ میں خانقاہیں بنانے کی رسم بہ مصلحت محمودہ ظاہر ہوئی۔ ہر چند کہ اس حدیث میں بناءً علی المشہور بیت اللہ کی تفسیر مساجد کے ساتھ کی گئی ہے؛ لیکن اطلاق لغۃً اور اشتراک علت کی بناء پر خانقاہوں پر بھی اس کے عموم میں داخل کرنا مستبعد نہیں، پس اس حیثیت سے یہ حدیث اس اسم کا ماخذ ہوسکتی ہے۔

کیفیتِ باطنی کو نسبت کہا جاتا ہے

مشاہدہ شاہد ہے کہ ذکر میں مشغول ہونے سے قلب میں ایک کیفیتِ غریبہ لذیذہ پیدا ہوتی ہے اور مواظبت سے اُس میں رسوخ پیدا ہوجاتا ہے، صوفیہ کی اصطلاح میں اُس کو نسبت کہتے ہیں، اس حدیث میں صراحۃً اس کا بیان ہے اور سکینہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

وضاحت: ایک تو یہ ہے کہ آدمی تنہا اللہ کا ذکر کرے اور اُسی ذکر اللہ میں بیٹھ جائے۔ اور انسان پر اللہ کا حق بھی ہے کہ اُس کا ذکر کرے؛ کیوں کہ اللہ ہی نے ایک ناپاک قطرہ سے انسان کو پیدا کیا، حتیٰ کہ وہ ایک مجسم آدمی کی شکل بن گیا، اور جسم کی ساری ضرورتوں کو وہی مہیا کرتا ہے، اس کا ذکر نہ کرے تو پھر کس کا ذکر کرے، انسان دنیا بھر کا ذکر کرتا ہے، اگر ذکر نہیں کرتا تو اللہ کا ذکر نہیں کرتا، یہ انسان کی بڑی ناشکری اور بھول ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اور سردارِ انبیاء علیہم السلام نے انسان کو اللہ کی یاد دلائی اور اس کے ذکر میں

لگا دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو آپ ﷺ کی صحبت کے اثر سے ایسے بن گئے کہ ہر وقت وہ اللہ کے ذکر میں رہتے تھے، ہر دنیوی شغل میں بھی وہ اللہ ہی کی یاد اور اسی کے ذکر میں رہتے تھے، کبھی وہ اللہ کے ذکر سے غافل نہیں رہتے تھے اور نہ کوئی مشغلہ اُن کو اللہ کے ذکر سے غافل کرتا تھا۔ اللہ کی یاد اُن کے دل میں رَچ بس گئی تھی، یہ بات ہر انسان میں ہونی چاہیے؛ مگر حضور ﷺ سے جیسے جیسے دُوری ہوتی گئی لوگوں میں اللہ کی یاد کم ہوتی گئی؛ اِس لیے اللہ والے اللہ کی یاد تازہ کرنے کی فکر میں لگ گئے، اس نیک مصلحت کے لیے رواج ڈالا کہ لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور اس کے لیے ایک مستقل مکان ہو اور لوگ اُس میں ذکر اللہ کریں۔ اور ذکر کے اثرات جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں پیدا ہوئے تھے اُن میں بھی پیدا ہوں، ایسے مکان کا نام خانقاہ دیا، اور جگہ جگہ خانقاہوں کا رواج پڑا کہ ایک کامل نسبت پایا ہوا اُن سب کی نگرانی، تربیت کرے، لوگ اپنے قلب کی نسبت وتعلق جوڑیں اور اس کو پختہ بنائیں؛ تاکہ لوگوں میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جیسی زندگی آجائے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو بڑے قوی دل تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو حضور ﷺ کی صحبت اور آپ ﷺ کے اثر کو برداشت کے قابل بنایا تھا، اگر اللہ یہ خاص انتظام نہ فرماتے تو وہ کام نہ ہوتا جیسا کہ ہوا کہ روئے زمین پر ایک کامل الایمان کا مجمع کثیر بن گیا اور ہر فرد ایمان میں کامل تھا؛ مگر آج ہم کو نہ وہ قوت حاصل ہے اور نہ وہ حضور ﷺ کی صحبت؛ اِس لیے حضور ﷺ کے اثرات جو ہم پر ہیں ہم اُس سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔

فائدہ وفیضِ رسول اللہ ﷺ پانے کی فکر کریں؛ اِس لیے پیرانِ طریقت نے اس عظیم اور مقصدِ حیات کے کام کو اپنے ذمہ میں لیا اور چلایا، ہزاروں بندگانِ خدا کو خدا سے جوڑا اور خانقاہوں میں تنہائی میں بٹھا کر لوگوں پر اللہ کی یاد کا رنگ چڑھایا، اُن کے دلوں کے میل کچیل کو دھو کر انہیں مصفّیٰ ومزکیٰ بنایا، جب اُسی جگہ کئی لوگ جمع ہو کر ذکر اللہ کریں تو اُسی ذکر کا نام ''ذکرِ حلقہ'' رکھا۔ اس میں تنہا ذکر سے جو فائدے ہوتے ہیں، ذکرِ حلقہ میں کئی فائدے ہوتے ہیں: ایک تو سب ہونے سے دلچسپی زیادہ ہو جاتی ہے، بہ نسبت تنہا ذکر کے

شوق بھی بڑھ جاتا ہے، پابندی بھی ہوتی ہے اور سہولت بھی ہوتی ہے، ایک سب سے بڑی چیز حضرت نے لکھی ہے کہ ایک دوسرے کی توجہ کا عکس واثر ایک دوسرے پر پڑتا ہے اور نسبت بڑھ جاتی ہے، جو تنہا ذکر میں حاصل نہیں ہوتی۔ ذکرِ جہر میں ایک خاص فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جب قلب پر ضرب پڑتی ہے تو تمام لطائف اور تمام جسم پر بھی اثر پڑتا ہے اور تمام لطائف صاف ہوجاتے ہیں اور توجہ میں بہت زور اور جوش؛ بلکہ بے خودی طاری ہوجاتی ہے، اس تیزی میں مشاہدات کا سماں بندھتا ہے۔ کبھی توجہ کسی بزرگ کے دربار میں پہنچ جاتی ہے اور کبھی بلاقصد حضور ﷺ کے دربار میں توجہ پہنچ جاتی ہے اور محفل ورنگِ محفل بندھ جاتا ہے، اس میں اشادات بھی پاتا ہے اور یہ پہنچنا بالکل صحیح ویقینی ہوتا ہے۔ بعض اہل اللہ میں اتنی لطافت پیدا ہوتی ہے کہ یہ جسم بھی توجہ کے ساتھ محفل میں پہنچ جاتا ہے اور بعض بزرگوں کی ارواح اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح اور کبھی حضور ﷺ کی روح پاک بھی توجہ دینے اور ہدایت کے لیے پہنچ جاتی ہے، جب آپ ﷺ کو منظور ہو۔ فرشتے بھی ایسی محفل میں شریک ہوجاتے ہیں، یہ سب ذکرِ حلقہ کی برکتیں ہوتی ہیں، جو تنہا ذکر میں بہت کم ہوتی ہیں۔ جن اللہ والوں کے مقام بلند ہوتے ہیں اُن کو تو یہ برکتیں ذکرِ خفی میں بھی حاصل ہوتی ہیں اور تنہا ذکرِ جہر میں بھی حاصل ہوتی ہیں؛ مگر مبتدیوں کو ذکرِ جہر اور حلقہ کے ساتھ ذکر بہت مفید اور ضروری ہے۔ ذکرِ خفی کے دن بھر کی محنت سے وہ بات نہیں پیدا ہوتی جو ذکرِ جہر کے تھوڑی دیر میں پیدا ہوسکتی ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تو بُڑھاپے تک میں ذکرِ جہر کی پابندی فرماتے تھے؛ حالاں کہ آپ کو ذکرارّہ حاصل تھا، جس میں جسم کے اعضاء الگ الگ ہوجاتے ہیں، پھر ارادہ ہٹانے پر اپنی اصلی حالت پر آجاتے ہیں۔

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ذکرِ جہر کے بہت پابند رہے؛ حالاں کہ آپ کو بھی ذکرِ ارّہ حاصل تھا۔

اکابرین دارالعلوم دیوبند نے خانقاہی نظام کو خوب چلایا، حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تو جہاں تھے وہ درس گاہِ حدیث بھی تھی اور وہی خانقاہ بھی، بڑے بڑے چوٹی کے علماء آپ سے سلوک واصلاح پاتے تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ تھانہ بھون میں بیٹھ گئے تھے اور خانقاہِ امدادیہ میں ہزاروں نے آپ سے اصلاح پائی۔ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ بھی وہی تھی اور مہمان خانہ بھی وہی تھا، ہزاروں نے آپ سے اصلاح پائی۔ رائے پور میں شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خلیل احمد صاحب انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ اِن حضرات نے رائے پور کی خانقاہ کو چلایا اور ساری دنیا میں اس خانقاہ کا اثر پھیل گیا۔ آج بنگلے والی مسجد دہلی میں مدرسہ بھی ہے، تبلیغ بھی ہے اور وہی خانقاہ بھی ہے۔

بہرحال ذکرِ خفی میں ایسا اثر ہے جیسے سُناری کام ہے اور ذکرِ جہر ایسا ہے جیسے لوہاری کام ہے، تھوڑی دیر میں لوہے کو پگھلا کر موم کر دیتا ہے اور ذکرِ حلقہ کا اثر بہت بڑا اثر ہے، جیسے حدیث میں اِس کی پوری وضاحت ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو ان ذاکرین کے زمرہ میں شریک رکھے اور شامل کرلے۔

جب تک لوگ ذکراللہ کے ذریعے اپنے نفس کی اصلاح نہ کرلیں اور اللہ سے تعلق نہ جوڑلیں، انسانی درستی اِس دَور میں ممکن نہیں۔ اور جب تک خانقاہی نظام نہ چلے عام معاشرہ اور دینی ماحول بننا محال ہے۔ علم سے معلومات آئیں گی، اصلاحِ نفوس نہ ہوگا، اور محض علم، ڈر ہے کہ کہیں فساد نہ بن جائے اور آدمی علم ہی کے دائرے میں نہ رہ جائے اور علم کے غرور میں نہ آجائے۔ نفوس کی اصلاح اور قرب کی طرف دھیان دینا چھوڑ دے، اسی پر کہا گیا ہے: **العلم حجاب الأکبر** (علم بڑا حجاب ہے)۔ دولت سے آدمی اتنا مغرور نہیں ہوتا جتنا کہ علم سے آدمی اپنے کو اوروں پر فضیلت دیتا ہے، علم والا دیکھتا ہے کہ علم والے کا رعب بادشاہوں پر بھی پڑتا ہے، دولت والا، دنیاوالا تو اِسی خیال میں رہتا ہے کہ مَیں دولت والا ہوں، اللہ والا نہیں ہوں؛ مگر علم والا محض علم علم پر سمجھتا ہے کہ مَیں اللہ والا ہوں، جتنا اِس

بارے میں علم والا دھوکہ کھاتا ہے اور کوئی نہیں۔ علم والے ہی دھوکہ کھائے ہیں اور علم والے ہی اللہ کو پائے ہیں اور ایسے ہی علم والے انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، حضور ﷺ کے سچے جانشین ہیں، انہیں سے دین پھیلا ہے اور ان ہی کے بارے میں اللہ نے تعریف کی ہے کہ وہی میرے بندوں میں مجھ سے ڈرنے والے ہیں۔ جو نفس کے بندے ہیں وہ دنیا سے ڈرتے ہیں، اللہ سے کیا ڈریں گے۔ اسی ذکر اللہ والے اور خانقاہی نظام والے ہی صحیح دین کی اسپرٹ پاتے ہیں اور دین کو پھیلاتے ہیں اور پھیلانے کے حق دار ہیں، جنھوں نے اپنی اصلاح نہیں کی ہے وہ دوسروں کی کیا اصلاح کریں گے۔ حضرت غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ کا خانقاہی نظام دنیا میں کام کیا ہے، اور دنیا کی کایا پلٹ دی ہے، ہر جگہ قادری سلسلے کے بزرگوں نے پہنچ کر کفر کے قلعوں کو ملیامیٹ کر دیا ہے اور ہر جگہ واقعات، زمانہ گزر جانے کے باوجود ہر بزرگ کے واقعے ہر مذہب والے کی زبان زد ہیں اور ہر مذہب والا اس کا اعتقاد رکھتا ہے، حضرت خواجہ خواجگان خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان ہی کی کایا پلٹ دی، نود (۹۰) لاکھ آپ کے دست حق پرست پر ایمان ہی نہیں لائے؛ بلکہ آپ نے اور آپ کے جانشینوں نے اسی خانقاہ سے ایسے صاحبِ تصرف افراد پیدا کیے کہ ان ذاکرین اولیاء باکرامت اور صاحبِ تصرف کی بے شمار جماعتیں بنا بنا کر اَطرافِ عالم میں بھیجیں۔ یہ فوج جدھر گئی کفر کی طاقتوں کو توڑ کر رکھ دیا۔ حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہی نے ہر علاقے میں اولیاء باکرامت کو بھیجا، صرف خلد آباد کو ۱۴ سو اولیاء باکرامت بھیجے، انھوں نے اَطراف میں پھیل کر دین کو پھیلایا۔

عہدِ رسالت میں حصولِ نسبت

از:

قطبِ دکن حضرت مولانا شاہ محمد نورالحق قریشی دامت برکاتہم

مشائخِ متقدمین اور متاخرین کی کتابوں میں کثرت سے ہے کہ جب آفتابِ رسالت طلوع کیے ہوئے تھا تو حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت ہی مرتبہ احسان تک پہنچانے کے لیے بالکل کافی تھی، کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی قوتِ روحانی کی یہ حالت تھی کہ بڑے بڑے کافر کو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہی مرتبۂ احسان حاصل ہوجاتا تھا اور نبیٔ کریم ﷺ کی نگاہ کی تاثیر سے دل کے غبار چھٹ جاتے تھے، پھر بقا اور قوتِ نسبت کے لیے صوم وصلاۃ، تلاوتِ قرآن، تبلیغ وجہاد اور اذکار مذکورہ فی الحدیث ہی کافی تھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد حصولِ نسبت

حضور ﷺ کے بعد یہی قوتِ روحانی بہ فیض نبوی ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی تھی؛ مگر جناب رسول اللہ ﷺ سے کم تھی، اس کا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خود اعتراف کیا ہے؛ چناں چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول مشکوٰۃ (ص/۵۱۷) میں بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ جس روز حضور ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی اور جس دن حضور ﷺ کا انتقال ہوا تو ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور ہم نے حضور ﷺ کے انتقال کے بعد قبرِ اطہر پر مٹی ڈال کر ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب کی نورانیت میں فرق پایا۔ یعنی ہمارے قلوب میں وہ صفائی اور نورانیت نہیں رہی جو حضور ﷺ کے مشاہدہ کے وقت محسوس ہوتی تھی۔ (شریعت وطریقت)

اس کے بعد تابعین میں یہ قوتِ روحانی اور تاثیرِ صحبت میں اور کمی آئی، اس کے بعد تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہوگئی؛ چناں چہ حضور پُرنور ﷺ کے بعد جُوں جُوں زمانہ

گزرتا گیا اور نورانیت سے دُوری اور بُعد ہوتا گیا، ظلمات کا اثر قلوب میں آتا رہا، حتیٰ کہ صحبتوں کے کمزور ہوجانے اور قلوب میں ظلمات کے بڑھ جانے سے توجہ الی اللہ اور نسبتِ احسانی کا فقدان محسوس ہونے لگا؛ حالاں کہ صوم وصلاۃ اور دعوت وتبلیغ وغیرہ سب اعمال ہورہے تھے؛ اِس لیے اس وقت کے خواص بزرگ اور مشائخ اس کمی کو پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، انہوں نے اوّل قرآن وحدیث کی روشنی میں پھر الہام، نورِفراست اور تجربات سے کچھ تدابیر اختیار کیں، یعنی قلوب کی صفائی کے لیے کچھ مجاہدات مقرر کیے اور اذکار میں کچھ قیود اور شرائط لگادیں؛ تاکہ زیادہ اثر ہو، جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن وحدیث کے سمجھنے کے لیے قواعدِ صَرف ونحو جاننے کی ضرورت نہ تھی؛ لیکن اہلِ عجم اور آج کل کے عرب حضرات کو بھی قرآن کے فہم کے لیے صَرف ونحو سیکھنے کی ضرورت پڑگئی۔

علماء نے اس کی عام فہم مثال لکھی ہے کہ اگر کسی کتاب کا پڑھنا مطلوب ہو تو جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے آدمی بلاتکلف کتاب پڑھ سکتا ہے اور جب آفتاب غروب ہوجائے تو پڑھنے کے لیے چراغ وغیرہ روشن کرنا پڑے گا اور جب نظر بھی کمزور ہوجائے تو عینک بھی لگانا پڑے گی۔

اِسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے وقت آفتابِ رسالت طلوع کیے ہوئے تھا تو نسبتِ احسان یا حضور مع اللہ حاصل کرنے کے لیے کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں تھی؛ لیکن جب وہ آفتاب عالمتاب غروب ہوا تو غروب کے بعد بھی کچھ روشنی کچھ دیر کے لیے باقی رہی، پھر جب وہ بھی نہ رہی تو حصولِ مطلوب کے لیے دوسری تدابیر اختیار کرنا پڑیں۔

مامور بہ کے حصول کے لیے نئی نئی تدابیر اختیار کرنے کے ضروری ہونے میں ایک مثال جہاد کی ہے کہ طبقۂ ادنیٰ میں اس کے لیے تیر، نیزہ اور تلوار بلکہ پتھر بھی کافی تھا؛ مگر اب ان پر اکتفا کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے؛ بلکہ بندوق، توپ، ٹینک اور ایٹمی آلات تک کی تیاری ضروری ہوگی جو سب بعد کی ایجاد ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ان چیزوں کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ جہاد کے لیے ان آلات کو استعمال کرنے پر یہ سوال کہ یہ قرآن

وحدیث سے کہاں ثابت ہے اور یہ کہنا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اِس طریقہ سے جہاد نہیں کرتے تھے، حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ جولوگ کسی مامور بہ کے حصول کے لیے کسی جائز تدبیر کو صرف اس لیے بدعت کہہ دیتے ہیں کہ اس کا رواج صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دَور میں نہیں تھا، وہ بدعت کی تعریف سے واقف نہیں ہیں۔ بدعت احداث فی الدین کا نام ہے، احداث للدین کا نام نہیں، جولوگ ان دونوں میں فرق نہیں کرسکتے، وہ دین سے ناواقف ہیں کہ احداث للدین بسااوقات ضروری؛ بلکہ واجب تک ہوجاتا ہے جیسا کہ جہاد میں آج کل جدیدآلات کا استعمال ضروری ہوگیا، اِسی طرح شریعت میں نسبتِ احسان کا حصول جس قدر مہتم بالشان ہے اُس کے لیے جوبھی جائز تدبیر اختیار کی جائے وہ موجبِ ثواب اورضروری ہے نہ کہ بدعت۔ (ماخوذ از: شریعت وطریقت)

اِس تفصیل کے بعد اِس بات کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ صوفیاء کی اختیار کردہ تدابیر کا ثبوت قرآن وحدیث میں بھی ہونا ضروری ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ مشائخِ عظام اور اطباءِ روحانی کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اکثر وہی تدابیر اختیار کی ہیں جن کی اصل اوران کا ماخذ قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے۔صوفیاء کے مجاہدات وریاضات اور اذکار واشغال کا قرآن وحدیث سے ماخوذ ہونا حضرت حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کی تصنیف ''التکشف فی مہمات التصوف'' اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''شریعت وطریقت'' کا تلازم میں ملاحظہ کریں۔حضرت مولانا عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ''سباحۃ الفکر'' جس میں تقریباً پچاس حدیثیں ایسی ذکر فرمائی ہیں، جن میں ذکرِ جہری کا ثبوت ہے، ہم کو اُس رسالہ میں سلوک کے دو بنیادی اُصول: صحبت اور ذکر کے صرف طریقے اوران کے اثرات بیان کرتے ہیں۔

نسبتِ احسان اورتوجہ الی اللہ پیدا کرنے میں کثرتِ ذکراللہ کو جو دخل ہے اُس کے عقلی دلائل اور تجربہ کو بیان کرنے سے پہلے خود حضور ﷺ کا ایک ارشاد نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مَیں گھر سے نکلا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا کہ حنظلہ کیا حال ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا، کہنے لگے: سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ مَیں نے کہا کہ جب حضور ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں اور حضور ﷺ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو وہ دونوں چیزیں گویا ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں؛ لیکن جب حضور ﷺ کی مجلس سے نکلتے ہیں، بیوی بچوں اور کاروبار میں گھل مل جاتے ہیں تو بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سُن کر فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ حالت تو میری بھی ہے، تو مَیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں حضورِ اقدس ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہوگیا، تو حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: یہ کیا کہا؟ تو مَیں نے اوپر والی ساری بات دُہرائی، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم ہر وقت اُس حال پر رہو جس حال میں میرے پاس ہوتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو تو ملائکہ تم سے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں مصافحہ کیا کریں؛ لیکن اے حنظلہ! گاہے گاہے تین دفعہ فرمایا، یعنی آدمی ہمیشہ ایک ہی حالت پر نہیں رہتا، حضوری کی کیفیت کبھی کبھی حاصل ہوتی ہے۔ حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہی حال مشائخ کا ہے، اُن کی موجودگی میں جو کیفیات وحالات اُن کے مریدین ومتوسلین کے ہوتے ہیں وہ غیبت میں نہیں رہا کرتے۔ حضور ﷺ کے پاک ارشاد میں لفظ ذکر سے اور تعمیم ہوگئی کہ مجالسِ ذکر اور ذکر کی کثرت میں بھی حضور یعنی مرتبۂ احسان حاصل رہتا ہے اور ذکر کی کثرت شیخ کی مجلس میں حافظہ کا بھی بدل ہے۔

چناں چہ سلوک کے تمام مشائخ کے یہاں یہی دو چیزیں صحبتِ شیخ اور کثرتِ ذکر اصل ہیں۔ تغیرِ زمانہ سے قلوب میں جب ان چیزوں کے مؤثر ہونے میں کمی آگئی تو مشائخ نے ان دونوں چیزوں میں اپنے تجربات اور فراست سے کچھ جائز شروط وقیود بڑھادیں۔ مثلاً: صحبتِ شیخ میں اخذِ فیض کا حریص ہوکر بیٹھنا، اپنے دل کو تمام خطرات سے خالی رکھ کر شیخ کے قلب سے اپنے قلب میں فیض آنے کا خیال کرتے ہوئے اپنے قلب کی طرف متوجہ

رہنا مجلس میں ادب کے ساتھ بیٹھنا اور شیخ سے غائب ہونے کی حالت میں بھی اِس طرح فیض یاب ہوتے رہنا وغیرہ اور ذکر اللہ میں بھی کچھ قیود لگادیں کہ اذکار کی کچھ خاص مقدار مقرر کیں۔ وساوس وخطرات کو کم کرنے، خیالات میں یکسوئی پیدا کرنے کے لیے جمعیت وتسکین حاصل کرنے اور روح میں نرمی ولطافت پیدا کرنے کے لیے جہر، ضرب، حرکت وہیئت کے طریقے مقرر فرمائے۔ اِسی طرح تنہائی وخاموشی کی لذت اور لوگوں کے اختلاط وہم کلامی سے نفرت پیدا کرنے کے لیے ذکرِ خفی اور اس کی شرائط تجویز کیں، یہ سب کچھ عوارضات کے پیش آنے پر بطورِ علاج کے کرنا پڑا۔

چوں کہ ذکر کے ان طریقوں کے مقرر کرنے میں مشائخ کے اجتہاد اور تجربات کو دخل ہے، اس میں مختلف طبائع اور مختلف زمانوں کی مخصوص ضرورتوں کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا؛ اِس لیے کئی طریقے رائج ہوگئے۔

صوفیاء کے یہاں جملہ طرق میں کلمہ شریف کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے، ہیئت اور طریقہ پر شیخِ طریقت کے یہاں طریقہ الگ الگ ہوتا ہے۔ جیسا اطباء کے یہاں دواؤں کی تراکیب میں اختلاف ہوتا رہتا ہے، مجھے اطباء کے یہاں ایک عجیب چیز دیکھنے کی بڑی نوبت آئی کہ ایک نسخہ کسی بیمار نے کسی طبیب سے لکھوایا اور کوئی فائدہ نہ ہوا، وہ دوسرے طبیب کے پاس گیا، اُس نے اُس نسخہ کو باقی رکھا، صرف اوزان اور ترتیب میں ذرا سا فرق کردیا، بڑی حیرت ہے کہ دوائیں بدستور، صرف ہیئت کے فرق سے نسخہ کے اثر میں فرق پڑ گیا۔

اذکار میں انہیں قیود کے متعلق حضرت گنگوہی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں: اس زمانہ میں (صحابہ رضی اللہ عنہم کے دَور میں) یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے؛ مگر ان (قیود) کی حاجت نہ تھی، بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح بدلا اور طبائع اس اہلِ طبقہ کی بہ سبب بعد زمان خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آگئیں تو یہ اور اُداس زمانے میں اگرچہ تحصیل کرسکتے تھے؛ مگر بدقت ودشواری؛ لہٰذا طبیبانِ باطن نے کچھ اس میں قیود بڑھادیں اور کمی زیادتی اذکار کی کی۔ بعد اس کے دوسرے طبقہ نے اِس طرح دوسرا رنگ

بدلا تو وہاں بھی دوبارہ تجدید کی حاجت ہوئی۔ ثم وثم، جیسا کہ طبیب موسمِ سرما میں ایک علاج کرتا ہے کہ وہ علاج موسمِ گرما میں مفید نہیں ہوتا؛ بلکہ حصولِ صحت کو بعض اوقات مضر ہو جاتا ہے اور باعتبار زمانہ کے اختلافِ تدبیر علاجِ اوّل دوسرے وقت میں بدل جاتی ہے۔ جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو کچھ کہ کتبِ سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں۔ ان کا بدل ڈالنا کتبِ طِب کے اصل قواعد کے موافق ہے، اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو، پس اس کو فی الحقیقت ایجاد نہ کہا جائے گا؛ بلکہ تعمیل اصل اُصول کی قرار دی جائے گی، جیسا کہ جہاد میں آلات کی تبدیلی کا ضروری ہونا اوپر گزر چکا۔

الحاصل حصولِ نسبت کے لیے اذکار واشغال کے مختلف طریقوں اور مجاہدہ وذکر کے درمیان تقدم وتأخر کرنے میں مشائخ کے بہت سے سلسلے اور خانوادے ہو گئے، جن میں چار کو زیادہ شہرت ہوئی: چشتیہ نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ، دراصل یہ سب ایک ہی چیز ہے، سب کا مقصد نبیٔ کریم ﷺ کے پاک اشاد ''أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ'' (الحدیث) کا حاصل کرنا ہے، باقی ان اکابر اطباء کے یہاں مریضانِ قلوب کے لیے یہ سارے مختلف معلومات درجۂ احسان (یا حصولِ نسبت) کے واسطے بطور تدبیر وعلاج کے ہیں۔

لہٰذا جب یہ طریقے بطور تدبیر علاج کے درجہ میں ہیں اور حصولِ مقصد میں کامیاب ہیں اور کوئی اِن کو عبادتِ مقصود نہیں کہتا، تو اِن کو اختیار کرنے کے لیے تجربہ کے سوا کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔

❑❖❑

معاشرتِ انسانی؛ بلکہ حیاتِ انسانی مرکّب ہے مرد وعورت سے

از:
مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی نوراللہ مرقدہٗ

رحمتِ خداوندی مرد وعورت پر عام ہے

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ﴾ (آلِ عمران:۱۹۵)

ترجمہ: سواُن کی دعا کواُن کے پروردگار نے قبول کرلیا؛ اِس لیے کہ مَیں تم میں کسی عمل کرنے والے کے (خواہ) مرد ہو یا عورت عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا،تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے اہلِ ایمان کی دعاؤں کا تذکرہ کیا ہے، ان اہلِ ایمان نے خوب دل کھول کر دعائیں کیں، معمولی دعائیں نہیں تھیں، بڑی مؤمنانہ دعائیں، بڑی مبصرانہ دعائیں، بڑی مردانہ دعائیں۔ مردانہ لفظ مَیں نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ﴾ ایک مردانہ دعا ہے، ﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾﴾ ایسی بلند ہمتی کی دعائیں تھیں۔ انہوں نے ایک بات اور کہی تھی: ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ﴾ ہم نے ایک پکارنے والے کو، تیرے ایک منادی کو پکارتے ہوئے سنا کہ: ﴿اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ﴾ (اپنے رب پر ایمان لاؤ) ﴿فَاٰمَنَّا﴾ (ہم ایمان لائے) ﴿وَكَفِّرْ

عَنَّا سَيِّاٰتِنَا﴾ (ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہمارے گناہوں سے درگزر کر)۔

ظاہر ہے کہ ان دعاؤں میں ذہن مَردوں ہی کی طرف ہوجائے گا، منادی اور قبول کرنے والے مرد، اور مَیں یہ کہوں کہ پیش پیش رہنے والے اور اس کو مردانہ وار لبیک کہنے والے مرد تھے، تو یہ بھی صحیح ہے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ جب اجر کا اور دعاؤں کی قبولیت کا ذکر کرتا ہے تو مَردوں کے ساتھ؛ حالاں کہ وہاں پر کوئی سیاق وسباق اور قرینہ نہیں ہے، خاص طور سے عورتوں کا ذکر کرتا ہے، دوسری جنس، جنس لطیف کا بھی ذکر کرتا ہے ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ﴾ دعا کرنے والے مرد ہیں اور فرماتا ہے اللہ نے اُن کی دعا قبول کی۔

یہاں پر کوئی ادیب ہوتا، کوئی انشاء پرداز ہوتا، کوئی مقفن ہوتا، کوئی ماہرِ نفسیات ہوتا، کوئی بڑا عورتوں کی آزادی کا حامی اور محرک ہوتا، تو مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں پر عورتوں کو فراموش کردیتا، کیا موقع تھا، کیا ذکر تھا، ساری دعائیں مَردوں کی اور سارے کاموں میں مرد ہی پیش پیش تھے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت دیکھیے وہ ذکور واناث دونوں جنسوں کا خالق ہے، دونوں پر اُس کی یکساں شفقت کی نظر ہے، وہ رب العالمین ہے، فرماتا ہے: ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ﴾ ان کے پروردگار نے اُن کی دعا قبول کی اور جواب دیا کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا، عامل کا لفظ تذکیر کا ہے، یہاں تک مَردوں کا ہی کا ذکر تھا ﴿لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ﴾ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو، کسی محنت کرنے والے کی محنت کو، کسی کوشش کرنے والے کی کوشش کو، کسی قربانی دینے والے کی قربانی کو، ضائع نہیں کرتا۔ ﴿مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ یہاں پر ایک دم سے عورتوں کو یاد فرمایا اور اُن کو شرف بخشا، وہ عمل کرنے والا، وہ دعا کرنے والا چاہے مرد ہو یا عورت۔

رحمتِ الٰہی اور بخششِ الٰہی میں مساوات کامل ہے

مَیں اِس کو پورے وثوق کے ساتھ اور خم ٹھونک کر کہتا ہوں اور کسی چیز میں مساوات ہو

یا نہ ہو اور بعض چیزوں میں مساوات، اسلامی شریعت سے تحفظ اور فطرتِ انسانی کی معرفت پر مبنی بصیرت سے کام لیتی ہے؛ لیکن ایک چیز ڈنکے کی چوٹ پر کہی جاسکتی ہے کہ رحمتِ الٰہی اور بخششِ الٰہی میں مساوات کامل ہے، اِس میں کوئی تحفظ نہیں ہے، کسی قسم کا ریز رویشن نہیں، کسی قسم کا امتیاز نہیں اور اِس کی دلیل یہ آیت ہے: ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ﴾ پورا سیاق وسباق دیکھیے تو آنکھیں کھل جائیں گی اور اعجازِ قرآنی سے بڑھ کر رحمتِ یزدانی کا آدمی قائل ہوجائے گا اور کوئی جھوم اُٹھے اور کسی پر وِجد کی کیفیت طاری ہوجائے اور خاص طور پر مَیں اپنی عزیز بہنوں سے کہتا ہوں، اگر اُن پر وِجد کی کیفیت طاری ہوجائے اور اگر کسی بڑے شکر کی حالت میں مدہوشی کی حالت طاری ہوجائے اور اُس کے رونگٹے رونگٹے سے شکر کے ترانے نکلیں؛ بلکہ ابلیس تو بھی بالکل بجا ہے اور برمحل ہے، یہاں پر کوئی موقع نہ تھا مَردوں نے بھی (اللہ اُن کو معاف کرے) اپنی دعاؤں میں اپنی بہنوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا، اپنی ماؤں تک کا تذکرہ نہیں کیا تھا؛ حالاں کہ ماں تو ماں ہی ہے، انہوں نے دعا اپنے لیے کی تھی، ساری ضمیریں مذکر کی؛ لیکن اُس رب العالمین کی رب العالمینی دیکھیے! اور اُس کی رحمۃ للعالمینی دیکھیے، فرماتا ہے: ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ اور پھر اِس کے بعد مہر لگاتا ہے ﴿بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ تم بھول کیوں گئے تھے، یعنی گویا تنبیہ کی گئی ان دعا کرنے والے مَردوں کو کہ تم اپنے جسم کے اتنے بڑے حصہ کو، حیاتِ انسانی کے ایک اہم عنصر کو بھول کیوں گئے تھے؟ بلکہ اپنے لیے شرطِ حیات کو بھول گئے تھے، تو تم بھولے، ہم نہیں بھولے، تم سو بار بھولو، ہزار بار بھولو؛ لیکن ہم بھولنے والے نہیں ہیں۔ ﴿كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا تو اُن کے رب العزت نے جواب دیا: ﴿اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ﴾ مَیں تم سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں، بغیر سیاق وسباق کے فرماتا ہے ﴿مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ چاہے وہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت، کیا تعجب کی بات ہے؟ تم ہو ہی ایک دوسرے سے

تم ایک دوسرے سے مستغنی نہیں، معاشرتِ انسانی؛ بلکہ حیاتِ انسانی مرکب ہے ان دونوں عنصروں سے، ان کی جدائی ہو ہی نہیں سکتی۔

عمل کا نتیجہ دنیا میں بھی نکلے گا اور آخرت میں بھی

جب میرا ذہن اِس آیت کی طرف گیا تو معانی اور مضامین کا ایک عالم سامنے آ گیا کہ ﴿لَآ اُضِیْعُ﴾ کی وسعت اور اس کے بے پایانی دیکھیے کہ اُس نے یہاں پر ﴿لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ﴾ فرمایا، مَیں تم سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، عربی کا لفظ اضاعت کا استعمال ہوا ہے، یعنی اس کوشش کا نتیجہ یہاں دنیا میں بھی ظاہر ہوگا اور آخرت میں بھی ہوگا، یہ آیت دنیا اور آخرت دونوں پر حاوی ہے، آیت یہ نہیں کہتی کہ عورتیں عبادت کر کے دنیا میں تو کوئی نتیجہ نہ پائیں گی، محنت کریں، عمل کے لیے اور عمل حاصل نہیں ہوگا، محنت کریں تربیت میں اور اس کا نتیجہ حاصل نہیں ہوگا، محنت کریں زندگی کو پُرلطف، بامعنیٰ اور بارونق بنانے کی اور اس کا نتیجہ نہ نکلے اور سارا اجر آخرت کے لیے اٹھا رکھا جائے؛ بلکہ جس میدان میں تم دونوں محنت کروگے اُس میں انہی کوششوں کا نتیجہ دیکھوگے۔

عورتیں ولایت کے میدان میں بھی پیچھے نہیں

اِس کا پورا امکان تھا کہ ولایت کے میدان پر پوری اجارہ داری مَردوں کی ہوتی؛ اِس لیے کہ ولایت کا میدان، قبولیت عنداللہ کا میدان، بڑی خصوصیات کا طالب ہے اور اس کو مَردوں سے کچھ مناسب ہے، مجاہدہ کرنا، جہاد کرنا، رات رات بھر نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا اور یہ مَردوں کے لیے آسان ہے۔

عورتوں کی بہت سی صنفی خصوصیات ہیں، بہت سی خانگی ذمہ داریاں ہیں، تربیت و پرورش کی، کسی بچہ کو اپنے ساتھ سلانا ہے، بچہ کو میٹھی نیند سلانا ہے، بچہ کی بیماری میں

تیمارداری کرنی ہے، اس کے لیے اتنی عبادت ممکن کہاں ہے جتنی مرد کے لیے وہ مسجد سے آیا اور سوگیا، رات بھر عبادت کرے، ولایت کے سلسلہ میں بالکل امکان تھا کہ ہم مرد اولیاء اللہ سے واقف ہوتے اور ایک عورت کا نام بھی سنا نہ ہوتا، اگر سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی بلند آوازیں اور اُن کی قبولیت عام اور اُن کی مقبولیت عنداللہ اور مقبولیت عندالخلق اور ان کی ولایت کا جو شہرہ دنیا میں ہے جب کہ پچھلی امتوں میں سے کسی ولی کا نام تو محفوظ نہیں ہے اور اگر سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو سوگنا شہرت حاصل ہے تو مَیں عرض کروں گا اور اِس میں گستاخی نہیں سمجھتا ہوں کہ پچاس درجہ کی شہرت رابعہ بصریہ کو بھی حاصل ہے اور آپ کسی چھوٹے سے چھوٹے مقام پر چلے جایئے، مولانا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو بچہ بچہ جانتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا کے کونے کونے میں جا کر دیکھا ہے جہاں چار مسلمان رہتے ہیں وہاں سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام کسی طریقہ سے خواہ اس پر شریعت کی رو سے کوئی پابند عائد کی جائے اور اس پر کلام کیا جائے؛ مگر مختلف ناموں سے ان کو دنیا میں یاد کیا جاتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں دوسرے نمبر پر رابعہ بصریہ کا بھی یہی حال ہے اور ہر پڑھا لکھا آدمی کم از کم رابعہ بصریہ سے تو ضرور واقف ہے، یہ بات عبادت و ریاضت کی ہے۔

عورت: اسلام کے معاشرتی و خاندانی نظام اور ملّی تشخص کی پاسبان ہے

معزز خواتین اور عزیز بہنو! اسلام کی شروع تاریخ سے اسلام کو ایک قابلِ عمل نظام کی طرح دنیا میں کامیاب ثابت کرنے، اُس کا عملی مظاہرہ (Demon Stration) کرنے

میں عورتوں کا جو ہاتھ رہا ہے، اُس کو بھلایا نہیں جاسکتا، کوئی مذہب، کوئی نظام اور خاص طور پر کوئی معاشرہ (Society) اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا اور زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہ سکتا، جب تک طبقۂ نسواں اُس میں پورے طور پر اپنی دلچسپی کا اظہار نہ کرے اور اس سے اپنی وفاداری اور اس سے وابستگی کا ثبوت نہ دے، یہ نہ صرف تاریخِ اسلام کا؛ بلکہ دنیا کی عام تاریخ کا ایک بڑا سوالیہ نشان ہے، کہ اسلامی معاشرہ اتنے دنوں تک اپنی خصوصیات کے ساتھ کیسے قائم رہ سکا، جب کہ اس کا مقابلہ دنیا کی مختلف تہذیبوں، بڑے ترقی یافتہ تمدنوں اور بڑے ترقی یافتہ اور وسیع قوانین (رومن لا، پرشین لا اور ہندو لا) سے رہا ہے، عربوں کی محدود زندگی اور اسلام کی سادگی نے کیسے ان پُر پیچ، ان ترقی یافتہ اور نازک قوانین اور ایسے معاشرتی نظام (Social Systom) کا مقابلہ کیا، جس پر صدیوں نہیں؛ بلکہ ہزاروں برس کی ذہانتیں صَرف ہوئیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس دشوار اور نازک کام میں ہماری بہنوں نے پورا پورا کوآپریشن کیا اور تعاون کیا، اُمراء اور حکام، سلاطین اور بادشاہ، اسلامی فوجوں کے کمانڈر، اسلامی سوسائٹی، اسلامی شخصیت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی حفاظت نہیں کرسکتے تھے، اگر خدا سے ڈرنے والی، شریف النفس، پختہ ایمان رکھنے والی خواتین، اسلامی تہذیب اور اسلامی تشخص (Islamic Identity) کی حفاظت اور اس کی بقا کے لیے مَردوں کے ساتھ مکمل تعاون (Co. Operation) نہ کرتیں، اگر وہ اسلام کے خاندانی نظام اور اسلامی عائلی قانون (پرسنل لا) کے قیام اور ایسے اسلامی گھر کی تعمیر میں جو اسلامی تربیت کے زیر اثر پروان چڑھ رہا ہو اور جہاں پاکیزگی، محبت اور امن کی فضا ہو، مَردوں کا ہاتھ نہ بٹاتیں، اگر خدا کی باعزت، صالح اور نیک بندیاں جو اسلامی تشخص کی پاسبان ہیں، باعزت اور شریف مَردوں کی مدد نہ کرتیں اور اُن کو سہارا نہ دیتیں تو مسلمانوں کو اپنے اسلامی امتیاز، اسلامی تہذیب وتمدن کے ساتھ باقی رہنا مشکل تھا، چاہے اُن کی پشت پر بڑی بڑی مضبوط حکومتیں اور بڑی اعلیٰ اور ترقی یافتہ تہذیبیں ہوتیں، بہت بڑا وسیع نظامِ تعلیم ہوتا، اور دولت کے خزانے ہوتے، اسلامی

معاشرہ اپنی خصوصیات کے ساتھ، خوداعتمادی اور احساسِ برتری کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا تھا، جب تک کہ بہنیں اپنے بھائیوں کا، اپنے والدین کا اور اسلامی سوسائٹی کی رہنمائی کرنے والوں کا ہاتھ نہ بٹاتیں اور ان کا ساتھ نہ دیتیں، ان خواتین کا اسلامی تشخص کی حفاظت ہی میں نہیں، اسلامی وجود کی بقا میں بھی ان کا ہاتھ ہے، ان کی وجہ سے مسلمان دنیا میں اپنی خصوصیات کے ساتھ باقی رہ گئے، دنیا کے مختلف ملکوں میں (جہاں کی تہذیب، جہاں کا تمدن، جہاں کے قوانین اور جہاں کا نظامِ معاشرت بالکل علیٰحدہ تھا) وہ اپنی خصوصیات اور مخصوص طرزِ زندگی کے ساتھ موجود ہیں، اُن کے ایثار، قربانی اور جذبۂ ایمانی کے نتیجہ میں یہ دین اپنی تہذیب وتمدن، اپنی معاشرت واخلاق، اپنے اقدار وتصورات (Values & Ideals) کے ساتھ ہم تک صحیح وسالم پہنچ گیا (یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو مَیں نے بہت مختصر طریقہ پر بیان کیا ہے)۔

❑❖❑

مالِ غنیمت سے متعلق قانونِ شریعت پر اعتراض

ازقلم:

حافظ نجیب احمد بانیکار استاذِ جامعہ

مفتوح قوم کا مال جو فاتح گروہ کے قبضہ میں آجاتا ہے، اُس کو ''مالِ غنیمت'' کہا جاتا ہے، اگر کسی وجہ سے دوقوموں کے درمیان جنگ ہوگئی اور اس میں ایک قوم نے فتح حاصل کرلی تو مفتوح قوم کی دولت کے بارے میں فاتح کے لیے کیا حکم ہے؟ تو اگر ان دوقوموں کے درمیان پہلے سے اس سلسلہ میں کوئی معاہدہ موجود ہو تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس معاہدہ پر عمل کرنا واجب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (المائدہ:۱) باہمی معاہدات کی پاسداری کرو، یہی حکم اُس وقت بھی ہوگا جب بین الاقوامی سطح پر جنگ کا قانون مرتّب کیا گیا ہو، اور اس پر مختلف ملکوں کے نمائندوں نے دستخط کیے ہوں، وہ سب ممالک اس وعدہ میں شامل سمجھے جائیں گے اور ان کے لیے اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

اسلام جس دَور میں آیا اُس وقت اس سلسلہ میں کوئی بین الاقوامی معاہدہ نہیں تھا، خاص کر جنگی حالات سے متعلق، فاتح قوم جہاں مفتوح قوم کو جانی و مالی نقصان پہنچاتی تھی، اُن کی عزت وآبرو سے کھیلتی تھی، وہیں مال و دولت بھی لُوٹ لیتی تھی، اسلام نے اس کے لیے قواعد وضوابط مقرر کیے، افسوس کہ جن لوگوں کی غارت گری نے پوری دنیا کو تنگ کر رکھا ہے اور جو زیادہ تر دوسروں کے معاشی وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے جنگ کرتے ہیں، وہ ''اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کے مصداق اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور ان آیات کو نشانہ بناتے ہیں، جن میں مالِ غنیمت کا ذکر آیا ہے، خاص طور پر ان دو آیتوں کو:

﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

(الانفال:۶۹)

''جو مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے، اُسے پاکیزہ اور حلال سمجھ کر کھاؤ اور اللہ

سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ معاف کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں''۔

﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴾ (الفتح:۲۰)

''اللہ نے تم سے بہت سارے مالِ غنیمت کا وعدہ کیا ہے، جسے تم پاؤ گے فوری طور پر تو فتح اُس نے تمہیں عطا کردی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے خلاف اُٹھنے سے روک دیے ہیں؛ تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی بن جائے اور اللہ سیدھے راستے کی طرف تمہیں ہدایت بخشے''۔

دونوں آیتوں میں مالِ غنیمت کا ذکر ہے، اس کا ترجمہ فرقہ پرست عناصر ''لُوٹ کے مال'' سے کیا کرتے ہیں اور یہ تصور دیتے ہیں کہ مسلمان غیر مسلموں کا جو بھی مال لوٹ لیں، وہ ان کے لیے جائز اور حلال ہے؛ مگر یہ محض ایک پروپیگنڈہ ہے، یہ آیات ہر غیر مسلم سے متعلق نہیں ہیں؛ بلکہ یہ اُن لوگوں سے متعلق ہیں جو مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہوں، کہ اگر مسلمان اُن پر فتح پائیں اور جنگجو حضرات قید کرلیے جائیں، تو اُن کے مال کا کیا حکم ہوگا؟ اِس سلسلہ میں اُصولی بیان کیا گیا کہ وہ مالِ غنیمت ہوگا، عربی زبان میں مشقت کے بغیر کسی چیز کے حاصل ہونے کو ''غنم'' (''غ'' پر پیش یا زبر) کہتے ہیں، (القاموس المحیط: ۱۴۷۶) چوں کہ جنگ کے حاصل ہونے والے مال میں تجارت یا زراعت کی مشقت نہیں اُٹھائی جاتی؛ اِس لیے اُس کو ''مالِ غنیمت'' کہتے ہیں، غنیمت کا ترجمہ ''لوٹ کے مال'' سے قطعاً درست نہیں، لوٹ تو ایک غیر قانونی طریقہ ہے، اسلام میں یہ حکم ہے کہ جب کوئی قوم مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہو اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو تو جہاں تک ممکن ہو باغات اور کھیتوں کو تاخت وتاراج نہ کیا جائے، مکانات منہدم نہ کیے جائیں، اپنے طور پر شکست خوردہ لوگوں کا مال لے کر استعمال نہیں کیا جائے، غزوۂ خیبر کے موقع سے فوجیوں نے کچھ بکریاں لوٹ لیں اور ذبح کرکے پکانے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پر بہت خفگی ظاہر فرمائی اور دیگیں الٹوادیں۔

مالِ غنیمت کے سلسلہ میں اُصول یہ ہے کہ مفتوحین کے مال حکومت کے پاس جمع کیے جائیں، اس میں سے پانچواں حصہ حکومت کے خزانہ میں محفوظ کر دیا جائے اور اسے رعایا کی بھلائی کے لیے خرچ کیا جائے، یہ رقم مسلمان رعایا پر بھی خرچ ہوگی اور غیر مسلم رعایا پر بھی، اس زمانہ میں فوجیوں کے لیے الگ ''تنخواہ'' نہیں ہوا کرتی تھی؛ اِس لیے جنگ میں حاصل ہونے والے مال کے بقیہ چار حصے اُن میں تقسیم کر دیے جاتے تھے، بعض صورتوں میں حکومت اپنے اختیارِ تمیزی اور عوامی مصلحت کو سامنے رکھ کر کسی مال کو روک کر بیت المال کا حصہ بھی بنا سکتی ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مشورہ سے عراق کی مفتوحہ اراضی مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں فرمائی؛ بلکہ بیت المال کی ملکیت میں باقی رکھا۔ بہرحال! تقسیم کے بعد جو مال جس کے حصہ میں پڑے گا، وہ اُس کا مالک سمجھا جائے گا، اِس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مالِ غنیمت ہر غیر مسلم کے مال کو نہیں کہیں گے؛ بلکہ دشمن ملک کے حاصل شدہ مال کو مالِ غنیمت کہا جائے گا، اور ایسا بھی نہ ہوگا کہ جس کے ہاتھ میں جو آئے، وہ اُس پر قابض ہو جائے؛ بلکہ یہ سارا مال حکومت کے حوالہ کیا جائے گا، پھر حکومت تقسیم کرے گی، قانونی طریقہ پر ہی کوئی شخص اس مال کا مالک ہوسکتا ہے۔

اب اِس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مالِ غنیمت کا تصور دنیا کے تمام نظام ہائے قوانین اور مذاہب میں رہا ہے، اسلام سے پہلے عرب کے قریب ایرانیوں اور رومیوں کی حکومت تھی، ایرانیوں کے یہاں بھی یہی اُصول تھا کہ وہ مفتوحین کے مال پر قبضہ کر لیتے تھے، رومی تورات کے قانون کو مانتے تھے، یہودی بھی اسی قانون پر عقیدہ رکھتے ہیں، اب دیکھیے کہ بائبل میں مالِ غنیمت کے بارے میں کیا کہا گیا ہے:

> ''اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دیوے، تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر؛ مگر عورتوں اور لڑکوں اور مویشی کو اور جو کچھ اُس شہر میں ہو، اُس کی ساری لوٹ اپنے لیے لے اور تُو اپنے دشمن کی اسی لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے، کھائیو''۔ (استثناء: ۲۰/ ۱۲-۱۴)

توریت میں جابجا مفتوحین کو لوٹنے کا ذکر ہے، یہاں ان سب کا تذکرہ کیا جائے تو بات لمبی ہوجائے گی؛ لیکن اِس سلسلہ میں خاص طور پر ''گنتی'' اور ''استثناء'' نامی صحائف کو پڑھا جاسکتا ہے۔

اب خود ہمارے ہندو بھائی ایک نظر اپنی مذہبی کتابوں پر ڈال لیں، ''رِگ وید'' میں ہے:

''اے اَگنی! تیرے مالدار پجاری خوراک حاصل کریں اور اُمراء بڑی عمریں پائیں، ہم اپنے دشمنوں سے لڑائی میں مالِ غنیمت حاصل کریں اور دیوتاؤں کو اُن کا حصہ نذر کریں، اے اگنی! ہم تیری مدد سے گھوڑوں کے ذریعہ گھوڑے، آدمیوں کے ذریعہ آدمی اور بہادروں کے ذریعہ بہادر فتح کریں''۔

(۱:۷۴:۵-۹)

''یجروید'' میں ہے:

''یہ اَگنی ہم کو وسیع مکان اور آرام وآسائش بخشے اور ہمارے دشمنوں کو ہمارے آگے مارتے بھگائے چلے، وہ مالِ غنیمت حاصل کرنے کی جنگ میں مالِ غنیمت لوٹے، وہ اپنی فاتحانہ پیش قدمی میں دشمنوں کو زیر کرے''۔ (۸:۴۴)

''سام وید'' میں ہے:

''اے چابک دست بہادرو! کنوا کے بیٹوں کے ساتھ بے دھڑک ہوکر ہزار دوہزار مالِ غنیمت لوٹ، اے سرگرم کار مگھون! پُرشوق دُعاؤں کے ساتھ ہم زرد رنگ کے مال اور گایوں کے ایک بڑے گلے کی تمنا کرتے ہیں''۔

(۲:۲:۱۲:۳)

''اتھروید'' میں کہا گیا:

''دشمن خالی ہاتھ ہوجائے، ہم اُن کے اعضاء کو مفلوج کردیں اور اس طرح اے ذوالجلال سپہ سالار اندر! ہم اُن کی ساری دولت آپس میں سینکڑوں کی طرح سے بانٹ لیں''۔ (۶:۶۶:۳)

پنڈت کشیم کرن داس ترویدی جی نے اِس اشلوک کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''فاتح بہادر دشمنوں کو فتح کرکے سپہ سالار کی ہدایت کے مطابق حکومت کا حصہ نکال کر اُن کے مال و دولت کو تقسیم کرلیں''۔

(قرآنِ مجید پر اعتراضات: ۱۷، بحوالہ: ہندی ترجمہ: کشیم کردن داس)

''اتھروید'' میں ایک اور اشلوک اِس طرح ہے:

''اے سپہ سالار! اپنے بہادروں میں طاقتور شخص کو زِرہ پہنادے اور دشمنوں میں ہرن کی طرح بزدلی پیدا کردے، دشمن اُلٹے منھ چلا جائے، زمین ہماری طرف آجائے''۔ (۶:۶۷:۳)

''منوسمرتی'' ہندو مذہب میں قانون کی کتاب کے درجہ میں ہے اور اسی قانون پر ہندو سماج کی اور نظامِ حکومت کی اَساس ہے، منو جی فرماتے ہیں:

''رَتھ، گھوڑے، ہاتھی، چھتر، مال و دولت، جانور، عورت، گُڑ، نمک، مادی چیزیں، تانبا، پیتل وغیرہ چیزیں اِن میں جس چیز کو جو جیت کر لاتا ہے، وہ اُسی کا ہوتا ہے۔'' (منوسمرتی: ۷:۹۵-۹۶)

آج بھی جب کوئی ملک دوسرے ملک پر فتحیاب ہوتا ہے تو مفتوحہ علاقوں میں جو چیز فاتحین کو ہاتھ آتی ہے، وہ اُسے اپنی صواب دید سے تقسیم کرتے یا استعمال کرتے ہیں، ہندوستان میں تو دشمنوں کی جائیداد پر قبضہ کا بھی قانون موجود ہے، مثلاً: اگر کوئی شخص بھارت سے پاکستان چلا گیا تو اُس کی جائیدادیں اُس کے رشتہ داروں کو نہیں ملیں گی؛ بلکہ حکومت کے قبضہ میں چلی جائے گی؛ لیکن اسلام میں یہ ضروری نہیں کہ لامحالہ مفتوحین کے مال پر قبضہ کرہی لیا جائے، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مسلم حکومت ان چیزوں کو مفتوحین کی ملکیت میں رہنے دے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے ساتھ فتح مکہ اور فتح طائف کے موقع پر اور یہودیوں کے ساتھ غزوۂ خیبر کے موقع پر کیا تھا۔

بہرحال! یہ تو عہدِ قدیم کی داستانیں ہیں؛ لیکن موجودہ دَور کی عالمی طاقتوں اور

ترقی یافتہ قوموں نے دولت لوٹنے کے لیے خون کے دریا بہادیے، پورے پورے ملک اور پوری پوری قوم کا صفایا کردیا، برطانیہ نے ہندوستان پر کیوں قبضہ کیا؟ اِس لیے کہ انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ ملک سونے کی چڑیا ہے، روس نے افغانستان پر کیوں قبضہ کیا؟ وہاں کی معدنیات پر قبضہ جمانے کے لیے، امریکہ نے ملک کے اصل باشندے ریڈ انڈ نیز امریکہ کے ایک علاقہ کیلاہون ریاست ٹینسیسی میں بسائے گئے تھے، جب معلوم ہوا کہ اُس علاقہ میں سونے کی کانیں ہیں، تو اُن کو اس سے محروم کرنے کی غرض سے ۲۶ رمئی ۱۸۳۰ء کو امریکن کانگریس کے صدر اینڈریو جیکسن کے دباؤ میں نقلِ مکانی ایکٹ بنا؛ تاکہ ریڈ انڈ نیز کو اس سونا اُگلتی زمین سے محروم کردیا جائے اور سفید فام لوگوں کے قبضہ میں آجائے؛ چناں چہ مئی ۱۸۳۸ء میں امریکی صدر وان بیورن نے اس قانون کو نافذ کرنے کا فیصلہ کیا اور ریڈ انڈ نیز کے قبیلہ چیروکیز کو نہایت بے دردی، بے رحمی اور سفاکیت کے ساتھ سنگینوں کی نوک پر ہنکاتے ہوئے ایک ہزار میل کا سفر کرا کے اوکلوہاما پہنچایا، بے شمار راستے میں پیدل چلنے کی تکلیف سے بھوک اور برف کی ٹھنڈک سے مرگئے، یہاں تک کہ ۶ رجون ۱۸۳۸ء کو نکلنے والا مظلوموں کا یہ قافلہ ۲۶ رمارچ ۱۸۳۹ء کو اپنی منزل پر پہنچ سکا، اس کا نام ہی ''آنسوؤں کی شاہراہ'' بن گیا اور ریڈ انڈین شعراء وادباء نے اس عنوان سے بڑا حزن انگیز ادب لکھا ہے۔

ماضیٔ قریب میں امریکہ نے عراق پر جو حملہ کیا، اُس کا مقصد تیل کے کنوؤں سے پٹرول غصب کرنے کے علاوہ اور کیا تھا؟ تو پہلے تو جنگوں میں محدود پیمانے پر فاتحین کو مفتوحین کا کچھ مال ہاتھ آجاتا تھا؛ لیکن آج کی دنیا میں تو پورے پورے ملک کو اپنی حرص ولالچ کا شکار بنایا جاتا ہے اور کسی جواز کے بغیر اُنھیں نشانہ بنا کر حملہ کیا جاتا ہے۔

❑❖❑

معاملات میں سچائی وایمان داری اور اکلِ حلال وحقوق العباد کی اہمیت

از قلم:
محمد اُسید قریشی

معاملات میں سچائی اور ایمان داری کی تعلیم بھی اسلام کی اُصولی و بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔قرآن شریف سے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا کہ اصلی مسلمان وہی ہے جو اپنے معاملات اور کاروبار میں سچا وایمان دار ہو، عہد کا پکّا اور وعدے کا سچّا ہو، یعنی دھوکہ، فریب اور امانت میں خیانت نہ کرتا ہو، کسی کا حق نہ مارتا ہو، ناپ تول میں کمی نہ کرتا ہو، جھوٹے مقدمے نہ لڑاتا ہو اور نہ جھوٹی گواہی دیتا ہو، سود اور رشوت جیسی تمام حرام کمائیوں سے بچتا ہو اور جس میں یہ بُرائیاں موجود ہوں، قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خالص مومن اور اصلی مسلمان نہیں ہے؛ بلکہ ایک طرح کا منافق ہے اور سخت درجہ کا فاسق ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِن تمام بُری باتوں سے بچائے۔ اِس بارے میں قرآن وحدیث میں جو سخت تاکیدیں آئی ہیں اُن میں سے چند ہم یہاں بھی درج کرتے ہیں، قرآن شریف کی مختصر سی آیت ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

''اے ایمان والو! تم کسی غلط اور ناجائز طریقے سے دوسروں کا مال نہ کھاؤ''۔

اِس آیت نے کمائی کے ان تمام طریقوں کو مسلمانوں کے لیے حرام کر دیا ہے جو غلط اور باطل ہیں، جیسے: دھوکہ فریب کی تجارت، امانت میں خیانت، جُوا، سٹّہ، سود اور رشوت وغیرہ۔ پھر دوسری آیتوں میں الگ الگ تفصیل بھی کی گئی ہے، مثلاً: جوُ کا ندار اور سوداگر ناپ تول میں دھوکہ بازی اور بے ایمانی کرتے ہیں، اُن کے متعلق خصوصیت سے ارشاد ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

(سورۂ تطفیف)

''اِن کم دینے والوں کے لیے بڑی تباہی (اور بڑا عذاب ہے) جو دوسرے لوگوں سے جب ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب خود دوسروں کے لیے ناپتے ہیں تو کم دیتے ہیں، کیا ان کو یہ خیال نہیں ہے کہ وہ ایک بہت بڑے دن اُٹھائے جائیں گے، جس دن کہ سارے لوگ جزا سزا کے لیے رب العالمین کے حضور میں حاضر ہوں گے''۔

دوسروں کے حقوق اور دوسروں کی امانتیں ادا کرنے کے لیے خاص طور سے حکم ملا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ (سورۂ نساء)

''اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جن لوگوں کی جو امانتیں (اور جو حق) تم پر ہوں وہ اُن کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو''۔

اور قرآن شریف میں دو جگہ (ایک سورۂ مؤمنون میں اور دوسرے سورۂ معارج میں) اصلی مسلمانوں کی یہ صفت اور پہچان بتلائی گئی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝﴾ (سورۂ مؤمنون)

''وہ جو امانتوں کے ادا کرنے والے اور وعدوں کا پاس رکھنے والے ہیں''۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اکثر خطبوں اور وعظوں میں فرمایا کرتے تھے کہ: ''یاد رکھو! جس میں امانت کا وصف نہیں، اُس میں ایمان بھی نہیں اور جس کو اپنے عہد اور وعدے کا پاس نہیں، اُس کا دین میں کچھ حصہ نہیں''۔ ایک اور حدیث میں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جھوٹ بولنا، امانت میں خیانت کرنا اور وعدہ پورا نہ کرنا''۔ تجارت اور سوداگری میں دھوکہ فریب کرنے والوں کے متعلق آپ ﷺ

نے فرمایا: ''جودھوکہ بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں اور مکروفریب دوزخ میں لے جانے والی چیز ہے''۔ یہ بات حضور ﷺ نے اُس وقت ارشاد فرمائی جب کہ ایک دفعہ مدینے کے بازار میں آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ بیچنے کے لیے اُس نے غلّے کا ڈھیر لگا رکھا ہے؛ لیکن اُوپر سوکھا غلّہ ڈال رکھا ہے اور اندر کچھ تَری ہے، اُس پر حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ: ''ایسے دھوکے باز ہماری جماعت سے خارج ہیں''۔ پس جو دُکان دار گاہکوں کو مال کا اچھا نمونہ دکھائیں اور جو عیب ہو اُس کو ظاہر نہ کریں تو حضور ﷺ کی اس حدیث کے مطابق وہ سچّے مسلمانوں میں سے نہیں ہیں اور خدانہ کرے وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو کوئی ایسی چیز کسی کے ہاتھ بیچے جس میں کوئی عیب اور خرابی ہو اور گاہک پر وہ اُس کو ظاہر نہ کرے تو ایسا آدمی ہمیشہ اللہ کے غضب میں گرفتار رہے گا (اور ایک روایت میں ہے) کہ ہمیشہ اُس پر اللہ کے فرشتے لعنت کرتے رہیں گے''۔ بہرحال اسلامی تعلیم کی رُو سے تجارت اور کاروبار میں ہر قسم کی دغابازی اور جعل سازی حرام اور لعنتی کام ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والوں سے اپنی بے تعلقی کا اعلان فرمایا ہے اور ان کو اپنی جماعت سے خارج بتلایا ہے۔ اِسی طرح سُود اور رشوت کا لین دین بھی (اگرچہ دونوں طرف کی رضامندی سے ہو) قطعاً حرام ہے اور ان کے لینے دینے والوں پر حدیثوں میں صاف صاف لعنت آئی ہے۔ سود کے متعلق تو مشہور حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی لعنت ہو سُود کے لینے والے پر اور دینے والے پر اور سُودی دستاویز لکھنے والے پر اور اُس کے گواہوں پر''۔ اور اسی طرح رشوت کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے رشوت کے لینے والے پر اور دینے والے پر''۔ ایک حدیث میں یہاں تک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جس شخص نے کسی آدمی کے لیے کسی معاملے میں (جائز) سفارش کی، پھر اُس آدمی نے اِس سفارش کرنے والے کو کوئی تحفہ دیا اور اُس نے یہ تحفہ قبول کرلیا تو یہ بھی اُس نے بڑا گناہ کیا (گویا یہ بھی ایک طرح کی رشوت اور قسم کا سودا ہو)''۔

بہرحال رشوت، سُود کا لین دین اور تجارت میں دھوکہ بازی اور بے ایمانی اسلام میں یہ سب یکساں طور پر حرام ہیں اور ان سب سے بڑھ کر حرام یہ ہے کہ جھوٹی مقدمہ بازی کے ذریعے یا محض زبردستی سے کسی دوسرے کی کسی چیز پر ناجائز قبضہ کرلیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی کی زمین کے کچھ بھی حصے پر ناجائز قبضہ کیا تو قیامت کے دن (اُس کو یہ عذاب دیا جائے گا کہ زمین کے اِس ٹکڑے کے ساتھ وہ زمین میں دھنسا دیا جائے گا، یہاں تک کہ سب سے نیچے کے طبقے تک دھنستا چلا جائے گا''۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: جس شخص نے (حاکم کے سامنے) جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کی کسی چیز کو ناجائز طریقے سے حاصل کرلیا تو اللہ نے اُس کے لیے دوزخ کی آگ واجب کردی اور جنت اس کے لیے حرام کردی ہے''۔ یہ سُن کر کسی شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ''اگرچہ وہ کوئی معمولی ہی چیز ہو؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''ہاں! اگرچہ وہ پیلو کے جنگلی درخت کی ایک ٹہنی ہی کیوں نہ ہو''۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مقدمہ باز کو آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ: ''دیکھو! جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی دوسرے کا کوئی بھی مال ناجائز طریقے سے حاصل کرے گا وہ قیامت میں اللہ کے سامنے کوڑھی ہوکر پیش ہوگا''۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے کسی ایسی چیز پر دعویٰ کیا جو حقیقت میں اُس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اُسے چاہیے کہ دوزخ میں اپنی جگہ بنالے''۔ اور جھوٹی گواہی کے متعلق ایک حدیث میں ہے کہ: ''حضور ﷺ ایک دن صبح کی نماز سے فارغ ہوکر کھڑے ہوگئے اور آپ ﷺ نے ایک خاص انداز میں تین دفعہ فرمایا کہ: جھوٹی گواہی شرک کے برابر کردی گئی ہے''۔

حرام مال کی نجاست اور نحوست

مال حاصل کرنے کے جن ناجائز اور حرام ذریعوں کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے اُن کے ذریعے جو مال بھی حاصل ہوگا وہ حرام اور ناپاک ہوگا اور جو شخص اس کو اپنے کھانے پہننے

میں استعمال کرے گا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اُس کی نمازیں قبول نہ ہوں گی، دعائیں قبول نہ ہوں گی، حتیٰ کہ اگر وہ اس سے کوئی نیک کام کرے گا تو وہ بھی اللہ کے یہاں قبول نہ ہوگا اور آخرت میں اللہ کی خاص رحمتوں سے وہ محروم رہے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص (کسی ناجائز طریقے سے) کوئی حرام مال حاصل کرے گا اور اُس سے صدقہ کرے گا، تو اُس کا یہ صدقہ قبول نہ ہوگا اور اس میں جو کچھ (اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں میں) خرچ کرے گا اُس میں برکت نہ ہوگی اور اگر اس کو ترکہ میں چھوڑ کر مرے گا تو وہ اس کے لیے جہنم کا توشہ ہوگا، یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا (یعنی حرام مال کا صدقہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ نہیں بن سکتا) بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے، کوئی ناپاکی دوسری ناپاکی کو ختم کر کے اس کو پاک نہیں کرسکتی''۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اور وہ پاک وحلال مال ہی کو قبول کرتا ہے''، پھر آخر حدیث میں آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو دُور دراز کا سفر کر کے (کسی خاص متبرک مقام پر دعاء کرنے کے لیے) اِس حال میں آئے کہ اُس کے بال پراگندہ ہوں اور سَر سے پاؤں تک وہ غبار میں آلودہ ہو اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اُٹھا اُٹھا کے وہ خوب عاجزی کے ساتھ دعا کرے اور کہے: اے میرے رب! اے میرے پروردگار! لیکن اُس کا کھانا پینا مالِ حرام سے ہو اور اُس کا لباس بھی حرام کا ہو اور حرام ہی سے اُس کی پرورش ہوئی ہو، تو اس حالت میں اُس کی یہ دعا کیوں کر قبول ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ جب کھانا پینا سب حرام مال سے ہو تو دعا کی قبولیت کا کوئی استحقاق نہیں رہتا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اگر کوئی شخص ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان دس میں سے ایک درہم حرام ذریعے سے آیا ہوا ہو تو جب تک وہ کپڑا جسم پر رہے گا اُس شخص کی کوئی نماز بھی اللہ کے یہاں قبول نہ ہوگی''۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو جسم حرام مال سے پلا ہو وہ جنت میں نہ جاسکے گا''۔

بھائیو! اگر ہمارے دلوں میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہے تو رسول اللہ ﷺ کے اِن ارشادات کے سننے کے بعد ہم کو قطعی طور سے طے کر لینا چاہیے کہ خواہ ہمیں دنیا میں کیسی ہی تنگ دستی اور تکلیف سے گزارا کرنا پڑے، ہم کسی ناجائز اور حرام ذریعے سے کبھی کوئی پیسہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اور بس حلال آمدنی ہی پر قناعت کریں گے۔

پاک کمائی اور ایمان دارانہ کاروبار

پھر اسلام میں جس طرح کمائی کے ناجائز طریقوں کو حرام اور ان سے حاصل ہونے والے مال کو خبیث و ناپاک قرار دیا گیا ہے، اِسی طرح حلال طریقوں سے روزی حاصل کرنے اور ایمان داری کے ساتھ تجارت و کاروبار کرنے کی بڑی فضیلت بتائی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حلال کمائی کی تلاش بھی دین کے مقرّرہ فرائض کے بعد ایک فریضہ ہی ہے''۔ ایک دوسری حدیث میں ہے، اپنی محنت سے روزی کمانے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''کسی نے اپنی روزی اس سے بہتر طریقے سے حاصل نہیں کی کہ خود اپنے دست و بازو سے اس کے لیے اس نے کام کیا ہو اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کا طریقہ یہی تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے کچھ کام کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے''۔ ایک اور حدیث میں ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''سچائی اور ایمانی کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر (قیامت میں) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا''۔

فتنۂ ارتداد کا بڑھتا ہوا رجحان

از قلم:
مولانا محمد یوسف صاحب قاسمی

ارتدادی فتنہ کے سدباب کے لیے دو اہم باتیں

پہلی بات: اس ارتداد کے اسباب و وجوہات کیا ہیں؟
دوسری بات: اِس کے سدباب کی مناسب تدبیریں اور صورتیں کیا کیا ہوسکتی ہیں؟

ارتداد کی پہلی وجہ:

جو لڑکیاں شادی کے نام پر اسلام جیسے عظیم ترین دین کو ترک کر کے مذہبِ غیر کو اختیار کر رہی ہیں، اگر اُن کے والدین اور خاص کر والدہ کا دینی، معلوماتی اور تربیتی پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اِن کو اسلام کے بارے میں چند چیزوں کے ناموں کے سوا کچھ بھی معلوم نہیں۔

جن لوگوں کی لڑکیاں غیروں کے ساتھ جارہی ہیں جب یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ اِن کی اپنی شادی کیسے ہوئی تھی، تو بیشتر لوگوں کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ کسی کی بیوی بیئر بار والی ہے، تو کوئی کسی کمپنی سے کسی غیر مسلم لڑکی کو بھگا کر لایا ہے، یعنی یہ بگڑے ہوئے ماں باپ کے بگڑے بچے ہیں۔ مزید برآں اگر تھوڑی سی اور تحقیق کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا باپ شراب پیتا ہے، تو کسی کے ماں باپ، بھائی بہن سب یا اِن میں سے کوئی شرابی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اِن کے ظاہری اعمال کو دیکھ کر بالکل بھی نہیں لگتا کہ یہ مسلمان ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ جب والدین خود دینی تعلیم و تربیت کے محتاج ہیں تو وہ اپنے بچوں کی تربیت کس طرح کریں گے اور کیا کریں گے۔ اِنہیں جیسے والدین کی وجہ سے گھر کا پورا ماحول بگڑتا ہے، اِن جیسے مسلمانوں کے بچوں سے اِس پُرفتن دَور میں اِس کے سوا اور کیا اُمید کی جاسکتی ہے، اگر

اِن کی لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں سے شادی نہیں کریں گی تو کس سے کریں گی؟

اِن کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ جب شروع میں لڑکی گھر سے باہر نکلتی ہے تو ان کو کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ وہ کہاں جاتی ہے، کس سے ملتی ہے، کیا کرتی ہے، پھر جب وہ کوئی غلط قدم اُٹھالیتی ہے تو یہی ماں باپ شکایت کرتے ہیں اور روتے پھرتے ہیں اور مزید غیرت جاگی تو اُسے مارنے کے درپے ہوجاتے ہیں؛ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اِس جرم کے ذمہ دار لڑکیوں سے کہیں زیادہ ان کے ماں باپ ہیں۔

بگڑے ہوئے ماں باپ کی ایک علامت:

ویسے تو کوئی اپنے آپ کو بگڑا ہوا نہیں کہتا ہے؛ لیکن علامت ایسی چیز ہے جو بتادیتی ہے کہ یہ بگڑے ہوئے ہیں یا بَنے ہوئے۔ بگڑے ہوئے ماں باپ اپنے بچوں کی بُری حرکتوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، مثلاً اُس کا گالی دینا، چوری کرنا، جھوٹ بولنا، سستی کرنا وغیرہ اور والدین اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتے ہیں کہ ابھی تو یہ بچہ ہے، جب بڑا ہوگا تو یہ سب عادتیں چھوڑ دے گا؛ حالاں کہ یہ بُری عادتیں اِس کے اندر جڑ پکڑ لیتی ہیں اور زندگی بھر وہ انھیں عادتوں کا غلام بن کر رہ جاتا ہے، جس کی وجہ سے والدین خون کے آنسو رونے پر مجبور ہوتے ہیں، پھر یہی والدین دربدر کی ٹھوکریں کھاتے اور بچہ کو بددعائیں دیتے پھرتے ہیں۔

بچوں کی تربیت کا ایک انتہائی اہم پہلو:

بچوں کی تعلیمی واخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ جنسی تربیت بھی ضروری ہے، نوعمر یا بلوغت کے قریب پہونچنے والے بچوں اور بچیوں کو اپنے وجود میں ہونے والی تبدیلیوں اور دیگر مسائل سے آگاہ کیا جانا ضروری ہوتا ہے، اگر گھر سے بچوں کو اِس کی مناسب تعلیم نہ ملے گی تو وہ باہر سے لیں گے جو کہ گمراہی اور فتنہ کا باعث بنے گا۔ جنسی تربیت کے ۱۷/ پوائنٹ درج ذیل ہیں۔

(۱) بچوں کو زیادہ وقت تنہا نہ رہنے دیں۔ آج کل ہم بچوں کو الگ کمرہ، کمپیوٹر اور

موبائل جیسی سہولیات دے کر اُن سے غافل ہوجاتے ہیں، یہ قطعاً غلط ہے۔ بچوں پر غیر محسوس طور پر نظر رکھیں اور خاص طور پر انھیں اپنے کمرہ کا دروازہ بند کر کے بیٹھنے نہ دیں؛ کیوں کہ تنہائی شیطانی خیالات کو جنم دیتی ہے، جس سے بچوں میں منفی خیالات جنم لیتے ہیں اور وہ غلط سرگرمیوں کا شکار ہونے لگتے ہیں۔

(۲) بچوں کے دوستوں اور بچیوں کی سہیلیوں پر خاص نظر رکھیں؛ تاکہ آپ کے علم میں ہو کہ آپ کے بچہ یا بچی کا میل جول کس قسم کے لوگوں سے ہے۔

(۳) بچوں و بچیوں کے دوستوں اور سہیلیوں کو بھی ان کے ساتھ کمرہ بند کر کے نہ بیٹھنے دیں، اگر آپ کا بچہ کمرہ میں ہی بیٹھنے پر اصرار کرے تو کسی نہ کسی بہانہ سے گاہے بگاہے چیک کرتے رہیں۔

(۴) بچوں کو فارغ نہ رکھیں۔ فارغ ذہن شیطان کی دُکان ہوتا ہے اور بچوں کا ذہن سلیٹ کے مانند صاف ہوتا ہے، بچپن ہی سے وہ عمر کے اُس دَور میں ہوتے ہیں جب اُن کا ذہن اچھی یا بُری ہر قسم کی چیز کا فوراً اثر قبول کر لیتا ہے؛ اِس لیے اُن کی دلچسپی دیکھتے ہوئے اُنھیں کسی صحت مند مشغلہ میں مصروف رکھیں۔ ٹی وی وقت گزاری کا بہترین مشغلہ نہیں؛ بلکہ سفلی خیالات جنم دینے کی مشین ہے اور ویڈیو گیمز بچوں کو بے حس اور متشدد بناتے ہیں۔

(۵) ایسے کھیل جن میں جسمانی مشقت زیادہ ہو، وہ بچوں کے لیے بہترین ہوتے ہیں؛ تاکہ بچہ کھیل کوُد میں خوب تھکے اور اچھی گہری نیند سوئے۔

(۶) بچوں کے دوستوں اور مصروفیات پر نظر رکھیں۔ یاد رکھیں! ''والدین بنا فُل ٹائم جاب ہے''، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد کی نعمت سے نواز کر ایک بھاری ذمہ داری بھی عائد کی ہے۔

(۷) اپنے بچوں کو نماز کی تاکید کریں اور ہر وقت پاکیزہ اور صاف ستھرا رہنے کی عادت ڈالیں؛ کیوں کہ جسم اور لباس کی پاکیزگی ذہن اور روح پر بھی مثبت اثرات مرتّب کرتی ہے۔

(۸) بچیوں کو سیدھا اور لڑکوں کو اُلٹا لیٹنے سے منع کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی بچیوں اور بچوں پر اِس بات میں سختی کرتے تھے، ان دو حالتوں میں لیٹنے سے سفلی خیالات زیادہ آتے ہیں، بچوں کو دائیں کروٹ سے لیٹنے کا عادی بنائیں۔

(۹) بلوغت کے نزدیک بچے جب واش روم میں معمول سے زیادہ دیر لگائیں تو کھٹک جائیں اور انھیں نرمی سے سمجھائیں، اگر اُن سے اِس معاملے میں بار بار شکایت ہو تو تنبیہ کریں، لڑکوں کو اُن کے والد جب کہ لڑکیوں کو اُن کی والدہ سمجھائیں۔

(۱۰) بچوں کو بچپن ہی سے اپنے مخصوص اعضاء کو مت چھیڑنے دیں، یہ عادت آگے چل کر بلوغت کے نزدیک یا بعد میں بچوں میں اخلاقی گراوٹ یا زنا کا باعث بن سکتی ہے۔

(۱۱) بچوں کو اجنبیوں سے گھلنے ملنے سے منع کریں، اور اگر وہ کسی رشتہ دار سے بِدکتا ہے یا ضرورت سے زیادہ قریب ہے، تو غیر محسوس طریقہ پر پیار سے وجہ معلوم کریں۔ بچوں کو عادی بنائیں کہ وہ کسی کے پاس تنہائی میں نہ جائیں، چاہے رشتہ دار ہو یا اجنبی اور نہ ہی کسی کو اپنے اعضائے مخصوصہ کو چُھونے دیں۔

(۱۲) بچوں کا ۵ یا ۶ رسال کی عمر سے بستر اور اگر ممکن ہو تو کمرہ بھی الگ کردیں؛ تاکہ اُن کی معصومیت تادیر قائم رہ سکے۔

(۱۳) بچوں کے کمرے اور چیزوں کو غیر محسوس طور پر چیک کرتے رہیں۔ آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ آپ کے بچوں کی الماری کس قسم کی چیزوں سے بھری ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ آج کے دَور میں پرائیویسی نام کا عِفریت میڈیا کی مدد سے ہم پر مسلط کردیا گیا ہے، اِس سے خود کو اور اپنے بچوں کو بچائیں؛ کیوں کہ نَوعمر بچوں کی نگرانی بھی والدین کی ذمہ داری ہے۔

(۱۴) بچوں کو بستر پر تب جانے دیں جب خوب نیند آرہی ہو اور جب وہ اُٹھ جائیں تو بستر پر مزید لیٹے نہ رہنے دیں۔

(۱۵) والدین بچوں کے سامنے ایک دوسرے سے جسمانی بے تکلفی سے پرہیز

کریں؛ ورنہ بچے وقت سے پہلے ان باتوں کے متعلق باشعور ہوجائیں گے، جن سے ایک مناسب عمر میں ہی آگاہی حاصل ہونی چاہیے؛ نیز والدین بچوں کی ان غلطیوں پر سرزنش کرتے ہوئے بھی باحیا اور مہذب الفاظ کا استعمال کریں؛ ورنہ بچوں میں وقت سے پہلے بے باکی آجاتی ہے، جس کا خمیازہ والدین کو بھی بھگتنا پڑتا ہے۔

(۱۶) یا ۱۴ر سال کی عمر میں بچوں کو ڈاکٹر آصف جاہ کی کتاب Teenage Tingling پڑھنے کو دیں، اِس کا اُردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔ یاد رکھیں! آپ اپنے بچوں کی گائیڈ نہیں کریں گے تو وہ باہر سے سیکھیں گے، جس میں زیادہ غلط اور مَن گھڑت ہوگا، جس سے اُن کے اذہان آلودہ ہوں گے۔

(۱۷) تیرہ، چودہ سال کے ہوں تو لڑکوں کو اُن کے والد اور بچیوں کو اُن کی والدہ سورۂ یوسف اور سورۂ نُور کی تفسیر سمجھائیں یا کسی عالِم یا علامہ سے پڑھوائیں، کہ کس طرح حضرت یوسف علیہ السلام بے حد خوبصورت اور نوجوان ہوتے ہوئے ایک بے مثال حسن کی مالک عورت کی ترغیب پر بھٹکے نہیں، بدلے میں اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شمار ہوئے۔ اِس طرح بچے بچیاں ان شاءاللہ تعالیٰ اپنی پاک دامنی کو معمولی چیز نہیں سمجھیں گے اور اپنی عفت و پاکدامنی کی خوب حفاظت کریں گے۔

آخر میں گزارش یہ ہے کہ ان کے ذہنوں میں بٹھادیں کہ اِس دنیا میں حرام سے پرہیز کا روزہ رکھیں گے تو ان شاءاللہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے تلے حلال سے افطاری کریں گے۔ بیٹیوں کی صحیح تربیت پوری قوم کو صحیح رُخ پر ڈال سکتی ہے اور بیٹیوں کی غلطی کی سزا پوری قوم کو بھگتنی پڑتی ہے۔

ارتداد کی دوسری وجہ:

گھر میں دینی ماحول کا نہ ہونا، بگڑے ہوئے ماں باپ ہی کی ایک کڑی ہے، تین باتوں کا خیال رکھنے سے گھر کا ماحول ضرور بالضرور دینی بن جاتا ہے:

(۱) آپ کی کمائی حلال ہو۔ اِس میں دو چیزوں پر دھیان دینا ضروری ہے: ایک

ہے کاروبار، نوکری، زراعت وغیرہ کا حلال ہونا، دوسرا ہے حلال غذا کا کھانا۔ آج جو کچھ ہم لوگ بازار سے خریدتے ہیں وہ چیزیں ایسی کمپنیوں کی بنی ہوئی ہوتی ہیں جن کے یہاں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں ہوتی، وہ اپنے پروڈکٹ میں کوئی بھی چیز ڈال دیتے ہیں، جس کو خریدتے وقت ہم لوگ کوئی تحقیق نہیں کرتے۔ اَمول کمپنی، بِرٹانیا، ان کی ہر چیز میں سُوَّر کی چربی ملی ہوئی ہوتی ہے۔

(۲) آپ کا گھر جہاں پر ہے اُس محلّہ، بلڈنگ، سوسائٹی، چالی وغیرہ کے لوگ دیندار ہوں؛ نیز وہاں مسجد ومدرسہ قائم ہو، جس میں وقت آنے پر بچوں کی معقول تعلیم کا نظم ہو سکے۔

(۳) آپ کے گھر کے ذمہ داروں کو اپنے بچوں کو دیندار بنانے کی ہمیشہ فکر سوار ہو اور گھر کا ہر فرد خود بھی دین پر عمل کرتا ہو۔ مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ جس گھر میں عمومی طور پر دینی ماحول نہیں ہوتا اگر اُس گھر میں ایک آدھ فرد دیندار بھی ہو تو اُس کا بھی دین پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور اگر عورت دیندار نہ ہو تو بے دینی نسلوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ اِس وقت مسلم گھرانوں کا تقریباً یہی حال دیکھنے میں آرہا ہے کہ اگر مرد دیندار ہے تو عورت بے دینی کی طرف مائل ہے اور اگر عورت دیندار ہے تو مرد بے دینی کی طرف مائل ہے، ایسا نہیں ہوگا کہ آپ تو خود دین سے دُور رہیں اور آپ کے بچے فرشتہ صفت بن جائیں، اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے گھر کا ماحول صحیح رہے تو آپ کو اپنی بات چیت میں، اُٹھنے بیٹھنے میں، چلنے پھرنے میں دین کا پاس ولحاظ رکھنا ہوگا۔

ارتداد کی تیسری وجہ:

بعض لوگ دینی کاموں کے کسی ایک آدھ جزو میں اِس قدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ انھیں اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی وغیرہ کی کوئی فکر ہی نہیں رہتی ہے، جس کا خطرناک نتیجہ اِس صورت میں سامنے آتا ہے کہ ان کی لڑکیاں اور بہنیں اپنی مرضی کے مطابق رشتہ خود ہی ڈھونڈھ لیتی ہیں، اب وہ چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اِس سلسلہ میں چند واقعات درج ذیل ہیں، جو معتبر ذرائع سے معلوم ہوئے ہیں:

(۲)-: ایک واقعہ گوریگاؤں کا ہے کہ: ایک صاحب دین کے ایک خاص کام میں اِس قدر لگے ہوئے ہیں کہ اکثر وبیشتر سفر میں ہی رہتے ہیں، اور ان کی لڑکیوں کی عمر ۲۵ سے ۳۰/سال ہوگئی، اس کے لیے نہ کوئی فکر نہ کوئی سفر، یہ ہے والدین کی بے اعتدالیاں کہ دین کے ایک جزوکوتو دین کا کام سمجھ رہے ہیں؛ لیکن بچیوں کا صحیح رشتہ لگ جائے اِس کو دین کا کام ہی نہیں سمجھ رہے۔ اب ایسی صورت میں اگر لڑکیاں کوئی غلط قدم اُٹھاتی ہیں تو اس کے ذمہ دار یقیناً والدین ہوں گے اور پورا اسلامی معاشرہ بدنام ہوگا۔

(۲)-: دوسرا واقعہ جوگیشوری کا ہے کہ: باپ دادا اور دو بھائی دین کے ایک جزوی کام میں اِس قدر منہمک ہوئے کہ ایک سفر سے آتا نہیں کہ دوسرا سفر پر نکل جاتا ہے، اِس میں وہ اِتنے مشغول ہوئے کہ چھوٹی بہن کے لیے رشتہ ڈھونڈنے کی بھی فرصت اُن کے پاس نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ سفر والے بھائی کو ایک دن اُس کی اہلیہ نے فون پر خبر دی کہ آپ کی چھوٹی بہن گھر والوں کو اطلاع دیے بغیر ایک اجنبی لڑکے کو لے کر خود سفر پر روانہ ہوچکی ہیں، اب اُن کی تلاش جاری ہے۔ یہ ہیں بے اعتدالیاں، جن سے معاشرے کو بچانا ضروری ہے۔

(۳)-: تیسرا واقعہ وسئی کی مسجد کے ایک مجبور امام کا ہے، اِن کے گھر میں اُن کی جوان بیٹی موجود ہے، اُس کی اور گھر کی دیکھ بھال ونگرانی کرنے والا کوئی دوسرا موجود نہیں، امام صاحب لڑکی کے رشتہ کی فکر میں لوگوں سے باتیں کرنا چاہتے ہیں اور اُس کی شادی کی تیاری میں ہیں؛ لیکن اِسی درمیان کچھ لوگ آتے ہیں اور امام صاحب کو دین کے ایک جزوی کام کے لیے سفر کرنے کو کہتے ہیں، امام صاحب کے عذر پیش کرنے کے باوجود وہ لوگ اُن کو سفر پر روانہ کر کے ہی دَم لیتے ہیں، ایسی صورت میں اگر وہ لڑکی کوئی غلط قدم اٹھاتی ہے تو اُس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ یہی وہ بے اعتدالیاں ہیں جن سے معاشرہ کو بچانا ضروری ہے؛ ورنہ ایک سے ایک خطرناک واقعات رونما ہوں گے۔

(جاری......................)

❑❖❑

احوال وکوائفِ جامعہ

ازقلم:
مولانا فاروق صاحب مفتاحی
مدرس جامعہ ہٰذا

جامعہ عربیہ کاشف العلوم اودگیر ضلع لاتور روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے، الحمدللہ اِمسال چارخوش نصیب طلبہ: (۱) شیخ داؤد (۲) محمد مذکر (۳) محمد عبیداللہ (۴) محمد نہال نے حفظ کلامِ پاک تکمیل فرمایا، اِسی ضمن میں ۶ ؍دسمبر بروز چہارشنبہ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ایک دعائیہ نشست کا انعقاد کیا گیا، جس میں عوام الناس کی کثیر تعداد شریک رہی، نشست کی ابتداء قاری عبداللہ حیدرآبادی، متعلّم جامعہ ہٰذا نے تلاوتِ کلامِ پاک سے فرمائی اور محمد عاصم قریشی حیدرآبادی، متعلّم جامعہ ہٰذا نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا، اس کے بعد مولانا محمد فضیل قریشی قاسمی استاذ جامعہ ہٰذا نے عظمتِ قرآن اور حفاظِ قرآن کی اہمیت وفضیلت پر پُرمغز خطاب فرمایا، جس میں انھوں نے خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن اور اہلِ قرآن سے منسلک افراد کے حق میں جونصوص احادیث اور قرآن کے اندر وارد ہوئے ہیں اُن پر روشنی ڈالی اور لوگوں کو قرآنِ کریم کی قدر پہچاننے اور اس پر عمل کرنے کے انعامات گنوائے۔

بیان کے بعد حفاظِ کرام نے قرآنِ کریم کی آخری آیتیں تلاوت کرتے ہوئے اپنے حفظ کلامِ پاک کو تکمیل فرمایا، شہریانِ اودگیر اور رشتہ دارانِ حفاظ کی طرف سے گلپوشی اور تقسیم مٹھائی کا نظم رکھا گیا۔ آخر میں حضرت دامت برکاتہم کے حکم سے صاحبزادہ محترم حافظ محمد فرقان صاحب قریشی زید مجدہٗ کی رقت انگیز دعا پر مجلس کا اختتام عمل میں آیا۔ دعائیہ نشست میں مولانا یوسف صاحب قاسمی نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

اہلِ فلسطین کے لیے دعاؤں کا اہتمام

۳۰؍نومبر بروز جمعرات جامعہ میں اسرائیلی جارحیت و بربریت اور بے تحاشہ ظلم کو دیکھتے ہوئے اہلِ فلسطین کے حق میں بارگاہِ رب العزت میں خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیا گیا، اِس نوعیت کی پہلی مجلس شہر میں منعقد ہوئی تھی؛ اِس لیے عوام الناس اور خواص کا ایک جم غفیر جامعہ میں حاضر ہوا، درود شریف اور آیتِ کریمہ کے وِرد کے بعد حافظ محمد فرقان قریشی زید مجدہٗ نے دعا فرمائی، اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنے بے بس ہونے اور عاجز ہونے کا اظہار کیا، اہلِ فلسطین کی مدد کے لیے خدا سے مدد کی بھیک مانگی، اِس طرح حاضرین کی پُرنم آنکھوں کے ساتھ یہ محفل اپنی انتہا کو پہونچ گئی۔

اجلاسِ دستار بندی کی تاریخ کا اعلان

۳۰؍نومبر بروز جمعرات صبح ساڑھے دس بجے دفترِ استقبالیہ جامعہ ہٰذا میں اجلاسِ دستار بندی سے متعلق ایک اہم میٹنگ حضرت دامت برکاتہم کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں حضرت قطبِ دکن نے ۱۲؍جنوری کو اجلاس کے منعقد ہونے کا اعلان فرماتے ہوئے اساتذۂ جامعہ سے عرض فرمایا کہ: اجلاس میں بطور مہمانِ خصوصی صاحبزادۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد اسجد مدنی دامت برکاتہم نائب صدر جمعیۃ علمائے ہند تشریف لائیں گے؛ نیز مقامی اور قریبی علاقوں سے علمائے عظام کی کثیر تعداد شرکت کرے گی، اس کے بعد اساتذہ کے درمیان بنیادی ذمہ داریوں کو تقسیم کر دیا گیا اور میٹنگ ختم ہوگئی۔

تمام قارئین سے درخواست ہے کہ اس عظیم الشان اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں۔

❑❖❑

ترانۂ جامعہ عربیہ کاشف العلوم اودگیر

یہ علم و ہدایت کا گلشن، وہ پیکرِ نورِ یزداں ہے
ہر قلب میں ہے توحید یہاں، ہر ایک زباں پر قرآں ہے

بنیاد کی پختہ اینٹوں پہ اخلاص کے بادل برسے ہیں
وہ جذبۂ صادق صبحِ دعا، میں خاص یہ بادل برسے ہیں

یہ جذبۂ نورالحق کی ہے،تعمیرِ منارے ایمانی
طوفان یہاں تھم جاتے ہیں، جھک جاتا ہے قصرِ سلطانی

انوارِ ضیاء الحق سے ہوا، تعمیر یہاں وہ میخانہ
بھر بھر کے خدائی جام سدا، پیتا ہے جہاں ہر دیوانہ

یہ رند و صراحی، جام وسبو، یہ بادۂ محفلِ نورانی
ہے شیخِ عبدِ غفور کا یہ اِک پیہم فیضِ روحانی

اس قطب دکن کے مرکز سے اسلاف کی خوشبو آتی ہے
وہ عزمِ حسینِ مدنی کے،اوصاف کی خوشبو آتی ہے

وہ خوابِ سعید الحق جس کی اک پاکیزہ تعبیر ہے یہ
ہے گلشنِ یکتا حق کے لیے، باطل کے لیے شمشیر ہے یہ

جو طاقِ حرم میں روشن ہے جلتی ہے وہی قندیل یہاں
سعدی و غزالی و رومی کی ملتی ہے سدا تمثیل یہاں

فیضانِ حسینِ مدنی کا اِک چشمۂ ابدی جاری ہے
اس محفلِ نُور کا ہر ذرّہ تاریکیٔ شب پر بھاری ہے

اِک پیرِ مغاں سے قائم ہے، ہر سمت وہ چشتی میخانہ
انوارِ الٰہی سے روشن ہوتا ہے جہاں ہر ویرانہ

یہ دولت وشہرت، مال وزر، اس دنیا کا کیا کام یہاں
یہ بزمِ ساقیٔ کوثر ہے، ہے صرف خدا کا نام یہاں

اَذکار کی کامل ضربوں سے مسرور عنادل ہوتے ہیں
محبوبِ خدا کی صحبت سے آباد یہاں دل ہوتے ہیں

اسلاف کی برکت پیہم سے ہر پھول یہاں کا شاد رہے
آباد ہے دینی گلشن یہ، تا شامِ زمن آباد رہے

❑❖❑